'OM' DELHI

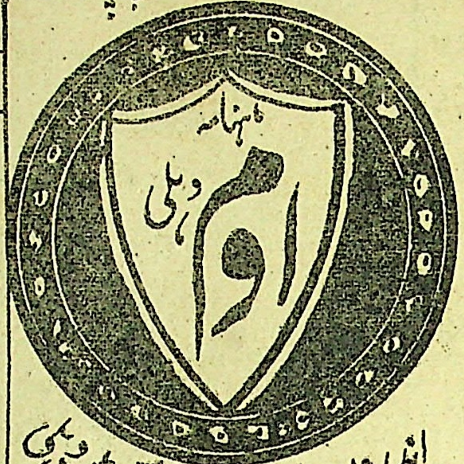
APRIL 1977



e Rs. 3.00



روحانیت کے بلند ترین خیالات کا پرچارک



اندرون بازار اجمیری گیٹ دہلی

بابت ماہ اپریل ۱۹۷۷ء

قیمت فی پرچہ 3/- روپے
سالانہ چندہ 28/- روپے
وی پی منگوانے پر 3/- روپے زائد
اسی چندہ میں سالنامہ جنوری ۱۹۷۷ء
بھکتی انک قیمت دس روپے
بھی دیا جاتا ہے۔

غیر ممالک سے سالانہ چندہ
بذریعہ بحری ڈاک 100/- روپے
بذریعہ ہوائی ڈاک 200/- روپے

چیف ایڈیٹر
گورکھ ناتھ نندہ
ایڈیٹر
برہمانند نندہ

فہرست مضامین

شری برہمانند نندہ ایڈیٹر پرنٹر پبلشر و مالک نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس گلی سوداگران بازار بلیماران دہلی سے چھپوا کر دفتر رسالہ اوم اندرون بازار اجمیری گیٹ دہلی سے شائع کیا۔

شری بھوانی استتی

از قلم پنڈت نریندر ناتھ جی شرما نریندر ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس

بنا بگڑی عطا کر کامرانی

تیم رحمت سراپا مہربانی — تیرے قربان جاؤں میں بھوانی
بجوشِ مادری تو سامنے آ — سناؤں میں تجھے غم کی کہانی
ہزاروں کوششیں کیں ضبطِ دل کی — دلِ بدبخت نے پر ایک نہ مانی
لئے جاتا ہے پیہم راہِ بد پر — میری بربادیوں کی دل نے ٹھانی
ہوا گو باندھتے ہیں لوگ اسکی — میری دشمن ہوئی لیکن جوانی
عجب تقدیر میں لیکر ہوں آیا — نہ حاصل عمر بھر ہو شادمانی
نکالو تم مجھے قعرِ گناہ سے — میرے سر سے نہ پھر جائے یہ پانی
پریشاں حال میں آیا ہوں در پر — بنا بگڑی۔ عطا کر کامرانی
تیری پلکوں کا اُٹھنا اور گرنا — شہود و غیبِ عالم کی نشانی
ہر اک حرکت ہے مادر تیرے دم سے — دلِ گمراہ کو دے جنبشِ سیانی

ہر آن نام بھوانی لے نریندر
نہیں رحم و کرم میں جس کا ثانی

مَن

شنکا سمادھان

پرشن ۔ مَن کو ایکاگر کرنے کا کیا اُپائے کیا جاوے ۔ مَن بڑا چنچل ہے جب ہی مَیں دھیان میں بیٹھتا ہوں ۔ یہ دنیاوی کاموں کی سوچ وچار کرنے لگتا ہے ۔

ہیرالال رکھی مانو یہ نگر

اُتر ۔ ہمارے شریر میں من سب سے پردھان اِندر ہے یہ تمام اندریوں کا راجہ ہے ۔ تمام اِندریاں اِس کے آدھین رہتی ہیں ۔ اِس میں بہت شکتی ہے ۔ یہ منش کو پل میں راجہ اَور پل میں ایک فقیر بنا دیتا ہے ۔ یہ پرکرتی (مایا) کے ستوگُن انش سے بنا ہُوا ہے ۔ جیسا من ہوتا ہے ویسا ہی منش ہوتا ہے منش کے اندر جیسے وچار ہونگے ۔ ویسا ہی من بنے گا ۔ منش جو بھوجن کھاتا ہے اُس بھوجن اَور پانی کے سُوکھشم انش سے من بنتا ہے ۔ اگر بھوجن ستوگن ہو گا ۔ اور پانی پوتر ہو گا ۔ تو مَن بھی ستوگنی بنے گا ۔ اَور اگر بھوجن تموگنی ہو گا ۔ جل اپوتر ہو گا ۔ تو من میں رجوگُن اَور تموگُن پرویش کریں گے ۔ اَور انسان شاستر ورودھ نشیدھ کام ہی کریگا ۔ پڑھنے سُننے اَور دیکھنے سے جو سنسکار من پر پڑتے ہیں ۔ اُسی طرح من چنتن کرتا ہے ۔ شدھ اَن ۔ شُدھ جل اَور شُدھ ہوا اَور دھارمک پستکوں کا سوادھیائے کرنا چاہیئے ۔ جس سے مَن پر ملین سنسکار نہ پڑیں ۔ جس سنگت سے کام اِنا یُن نیز کام کرودھ ۔ لوبھ ۔ موہ اور اہنکار بڑھیں ۔ ایسی سنگت کبھی نہیں کرنی چاہیئے ۔ جن اخبارات اَور رسالہ جات کے پڑھنے سے کام واسنا اُتپن ہو ۔ اُن کو دیکھنا بھی نہیں چاہیئے ۔ کیونکہ کام واسنا ہی نرک کا دوار ہے ۔ اِس لئے داناؤں نے کہا ہے ۔ کہ غیر عورت اَور کامی پُرش کی ہرگز سنگت نہ کرو ۔ غیر عورت کے ساتھ کبھی ایکانت میں نہ بیٹھو ۔ پریوجن کے بنا اُس کے ساتھ بات بھی نہ کرو ۔ غیر عورت کو دیکھنے ماتر سے وکار اُتپن ہوتا ہے ۔ اَور بات کرنے سے یہ وکار بڑھتا ہے اس لیے چلتے پھرتے ہمیشہ اپنی نگاہ نیچے کی طرف رکھو ۔ اَور خیالات کو کبھی پراگندہ نہ ہونے دو ۔ پتی برتا استریوں کو لکشمی کا رُوپ سمجھو ۔

سیا رام مئے سب جگ جانی   کروں پرنام جور جُگ پانی

من سے اُن کو پرنام کرو ۔ اگر اُن کو دیکھ کر کوئی وِکار اُٹھے تو بھگوان سے پرارتھنا کرو ۔ کہ وہ تمہیں کام کو جیتنے کی شکتی دیں ۔ بھگوان کی شرن لو ۔ جو کام روپی شترو سے بچ گیا ۔ وہ نرک سے بچ گیا ۔ جو شخص پرائی استری اَور پرائے دھن سے پرے رہتا ہے ۔ وہ سُورگ کو جاتا ہے ۔

جس شخص کا من غیر عورت کو دیکھنے اور اُس کی باتیں سُننے میں رُچی رکھتا ہے۔ وہ پاپرش ہے۔ وہ ایشور سے بےمکھ ہے۔ اُس کو سُکھ اور شانتی پراپت نہیں ہو سکتی۔ انسان کا سب سے بڑا دشمن کام ہی ہے اس لیے جو انسان اپنا کلیان چاہتا ہے۔ اُسے واجب ہے کہ وہ اپنے من کو کام کرودھ وغیرہ شتروؤں سے بچائے رکھے۔ تمام کامناؤں کا تیاگ کرے۔ سنسارک اِچھاؤں اور کامناؤں سے ہی من ملین ہوتا ہے اور کامناؤں کا تیاگ کرنے اور ایشور کی آرادھنا کرنے سے من پوتر اور شانت ہوتا ہے۔ من کے شانت ہوئے بنا سُکھ نہیں مل سکتا۔ سُکھ دُکھ کا انوبھو کرنے والا من ہی ہے سُکھ کے لاکھوں اور کروڑوں سادھن موجود ہوں۔ لیکن من اشانت ہو۔ تو اُن سارے سادھنوں سے سُکھ نہیں ہوتا۔ اسلئے ایسا اُپائے کرنا چاہیئے جس سے من شانت ہو۔ من میں اِچھائیں اُٹھتی ہیں۔ اور جب تک اُن کامناؤں کی پورتی نہیں ہوتی۔ تبھی تک من اشانت رہتا ہے۔ جس کا من سدا کامنا رہت اور نِر وکار رہتا ہے اُس کے لیے سدا سُکھ۔ سدا شانتی اور سدا آنند ہے۔ مہاپرشوں نے ستّ ہی کہا ہے کہ من ہی بندھن کا کارن ہے۔ اور من ہی موکھش کو دینے والا ہے۔ من کے ناش ہونے اور واسناؤں کے کھے ہونے پر ہی موکھش ہوتی ہے۔ جب تک آتم گیان نہیں ہوتا۔ تب تک واسنائیں ختم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ گیان ہونے پر ہی سنسار سوپن کی طرح متھیا پرتیت ہوتا ہے۔ اور جب تک ہم اس سنسار کو ستّ سمجھتے ہیں۔ تب تک پدارتھوں میں آسکتی اور موہ بنا رہتا ہے۔ جب یہ بات سمجھ (انوبھو) میں آجاتی ہے۔ کہ یہ جاگرت اور اس کے تمام پدارتھ سب سوپن کی طرح متھیا ہیں۔ تب ہی من واسناؤں سے رہت ہو کر انترمکھ ہوتا ہے اور اپنے سروپ (آتما) میں قیام کرتا ہے۔ اس لیے سادھک کو واجب ہے کہ ستّ سنگ ستّ شاستر کا وچار۔ ایشور اُپاسنا وغیرہ سادھنوں سے آتم گیان حاصل کر کے واسناؤں کا ناش کرے۔ واسناؤں کے ناش ہو جانے پر من کا بھی ناش ہو جاویگا۔ اور من کے ناش (یعنی نِر سنکلپ) ہو جانے سے آتما کا ساکھشاتکار ہوگا۔ جپ۔ دھیان۔ سداچار۔ ایکانت۔ ستّ سنگ۔ وچار۔ ساتوک آہار۔ اور پرماتما کا آشرے۔ پُنیہ کرم۔ پوتر تیرتھوں کی یاترا۔ صبح پرات کال (برہم مہورت) میں اُٹھنے کا ابھیاس۔ یہ سب کرم من کو ایکاگر کرنے کے بہترین سادھن ہیں۔ من کے نِروکلپ (بے خیال) ہونے پر ہی سمادھی اوستھا آئیگی۔ اور مسلسل ابھیاس کرنے سے رِدھی سِدھیاں بھی پراپت ہوں گی۔ اور پرماتما کے پرتکش درشن ہوں گے۔ کام کرودھ۔ لوبھ موہ اور اہنکار کا غلبہ من پر ناش اشدّھ نہ ہوگا۔ من اِس سے چلایمان نہیں ہوگا۔ جب تک بھوگوں کے لیے من کے اندر سے رس (سواد) نہیں چلا جاتا تب تک بھوگوں کا تیاگ نہیں ہوتا۔ اور وہ رس تب جاتا ہے جب پرماتما کا ساکھشاتکار ہو جاتا ہے یہ آتم سُکھ۔ ستّ سنگ۔ وچار۔ ویراگیہ اور بھگوان کی بھگتی کے بنا کبھی نہیں ملتا۔ اس لیے سنسارک بھوگوں کو تیاگ کر سدا ہی پرماتما کی بھگتی اور ستّ سنگ میں من کو لگائے رکھنا چاہیے۔

ہمیشہ سداچاری۔ شانت۔ گیانی بھگت کا ہی ستّ سنگ کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا ویکتی نہ ملے تو بھگوان کے

اوتار کی کتھاؤں کو سُنا ریا پڑھنا چاہیئے من کو نروچار۔ نرسنکلپ اوستھا میں بٹھانے کا ابھیاس کرنا چاہیئے۔ پرانا یام۔ دھیان۔ سمادھی وغیرہ سے من کی چنچلتا دُور ہو جاتی ہے اور پرماتما کی نشکام بھگتی سے اس کے تینوں دوش مل وکھشیپ اور آورن، دُور ہو جاتے ہیں۔ یگیہ دان۔ تپ اور پُنیہ کرم من کو نرمل کرنے کے سادھن ہیں! چھاؤں (کامناؤں) کے تیاگ رکھنے بنا من نرمل نہیں ہو سکتا۔ اور چت کے نرمل کیئے بنا سچا گیان نہیں ہوتا۔ اور گیان کے بنا مکتی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام کامناؤں کا تیاگ کر کے من کو نرسنکلپ کرنے کا ابھیاس کرنا چاہیئے۔

بھگوان رام کا ظہور!

—— کوی لوکنا تھ جی دِل ——

جب سوئے افلاک پہنچی دردمندوں کی صدا
خاک کے پُتلے میں جلوہ گر ہوئی ذاتِ صفا
سِمٹ کر ارضِ فنا میں آگیا طُولِ بقا
ضُوئے حق۔ قلبِ عناصر میں ہُوئی جلوہ نما

موج میں دریائے رحمت ہر دفعہ آتا رہا
ظلم کی بستی بہا کر ساتھ لے جاتا رہا
سچ تو یہ ہے جب گُلِ معصُوم مُرجھاتا رہا
بن کے جھونکہ نسیم سرو وہ آتا رہا

وہ ہمیشہ آہوں اور نالوں سے بُلوایا گیا
اور جب آیا رگِ جاں کے قریں پایا گیا
وُہ دفینے کی طرح ہر بار کھُدوایا گیا
اور خزانے کی طرح محفوظ دفنایا گیا

مہرِ ایماں، کُفر کی ظلمت سے چمکاتا رہا
نُورِ حق، خاکی قبا میں جلوے دِکھلاتا رہا
ہستی، اعدائے حق، ہستی سے اُٹھواتا رہا
اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے آتا رہا

اب بھی معصُوموں پہ جب کوئی بلا چھا جائیگی
مہرِ حق پہ کُفر کی کاری گھٹا چھا جائے گی!
نُورِ حق پہ کُفر کی گہری رِدا چھا جائے گی
گُلِ حق پہ خشک سالی جابجا چھا جائے گی

پھر وُہ آب و تاب سے جلوہ نُما ہو جائیگا
دردمندوں کے لیئے اے دِل! دوا ہو جائیگا
ظالموں کیواسطے دستِ قضا ہو جائے گا
اور مظلُوموں کا سچّا آشنا ہو جائے گا

بات کو لکشش رکھ کر ہم بھی اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ پرتیک اُپاسنا کے بعد ویراٹ اُپاسنا شروع ہوتی ہے۔ پرتیک اُپاسنا میں محض کسی ایک خاص اور اعلےٰ وِیکتی کے اندر برہم بھاونا کرنی ہوتی ہے۔ مگر وِراٹ دھیان میں اعلےٰ اور ادنےٰ کی کوئی تمیز نہ رکھتے ہوئے نام رُوپ ماتر میں ایشور درشٹی کرنی ہوتی ہے۔ اور وہ سب بھگوت وگرہے یعنی وپوُ ہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ محض بھاونا ہی نہیں۔ بلکہ اُپاسک اسے جُوں کا تُوں انوبھو کرتا ہے۔ چنانچہ ارجن نے جب ایسا درشن کیا تمام WORLD PROCESS کو اس سُروپ کے اندر ہی موجُود پایا۔ پرتھوی۔ جل اگنی وایو۔ آکاش۔ چاند۔ سُورج۔ سمندر۔ پہاڑ۔ ندیاں۔ جنگل۔ درخت اور اسی طرح تمام پرانی کیا انسان کیا حیوان۔ کیا چرند۔ کیا پرند۔ جل چر اور تھل چر غرضیکہ تمام خشکی اور تری اور لوک پرلوک کا سارا سلسلہ اُس روپ کے اندر دیکھا۔ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ تمام کوروؤں کی سبھی وِھبی اور گنتی میں بے شمار فوجوں کو نیز سری کرشن کو اور خود کو بھی اُسی کے اندر جیسے باہر دیکھا تھا۔ موجود پایا۔ تب تو آنکھیں کھُلیں۔ اور شری کرشن کے وشال اور دِیا پک وگرہے کو جانا اور یہ بھی پہچان لیا۔ کہ سری کرشن سے بھِن دُنیا کا کچھ وجود نہیں۔ اور نہ ہی میری کوئی جُداگانہ ہستی ہے۔ اور تب ہی اُس کا تصور خودی ٹوٹا اور خود کو اور نیز تمام دنیا کو سری کرشن تتومے جانا۔ اور نشچے کر لیا۔ کہ اس سنسار میں کنچت ماتر بھی کوئی بھُوت بھوتک پدارتھ نہیں جو سری کرشن سے جُدا ہستی رکھتا ہو۔ بس اسی لئے بھگوت گیتا کے اندر ہم پاتے ہیں۔ کہ اس وشو رُوپ درشن کرنے کے بعد نہایت عاجزانہ طریقے پر اُس نے بھگوان کی ستتی کی اور معافی اِس بات کی چاہی۔ کہ میں نے آج تک آپ کو محض ایک انسان سمجھا اور اپنا دوست پہچانا۔

سری کرشن چندر کا اس پرکار ارجن کو وشو دیاپی سروپ کا درشن کرانا واقع میں دنیا کے لئے ویراٹ اُپاسنا کے ودھان کی ہی غرض سے تھا۔ اس کے علاوہ اور اور جگہ بھی بھگوت گیتا کے اندر اسی اُپاسنا کے اندر انوشٹھان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ نے اس سرُوپ کا تذکرہ کیا۔ مثلاً

न तदस्ति विना यत्स्यान्मया भूतं चराचरम् ।

ارتھ۔ ایسا کوئی چراچر بھُوت پدارتھ نہیں۔ جو میرے بنا ہو۔

अमृतं चैव मृत्युश्च सदसच्चाहमर्जुन ।

ارتھ۔ امرت اور مرتیو سرُوپ مَیں ہُوں۔ اور ست اسَت بھی مَیں ہی ہوُں۔

अहमादिश्च मध्यं च भूतानामन्त एव च ।

ارتھ۔ مَیں ہی بھُوت بھوتک سرشٹی کا آد۔ انت اور مدھ ہوں۔

نایغ گورو گرنتھ صاحب کے اندر بھی جو سرو آتما سروگت پرتیت ہوتا ہے۔ وُہ بھی اسی ہی کی تصدیق کرتا ہے۔ ہم یہاں چند گورو واکیوں کو بھی شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جن سے اسی امر کا تصفیہ ہوگا۔

۱۔ آپے پٹ قلم آپ اُپر لیکھ بھی توُں ——— کس نوں کہیئے نانکا دُوجا کاہے کوُں۔

۲۔ جل تھل مہیل پوُریا سوامی سرجنہار ——— نانک ایکو پسریا ناتک ایکو نکار۔

۳- سرب بھوت آپ ورتارا ——— سرب نین آپ پیکھنہارا
سرب سمگری جاں کا تھا ——— اپنا یش آپ ہی سُنا

۴- سرب جوت تیری پسر رہی۔

۵- سب کو تجھ ہی وِچ ہے میرے شاہ ——— تجھ تے باہر کوئی ناہیں۔

۶- جیا جنت کے ٹھاکرا آپے ورتن ہار ——— ایک ہی جانت ہوئے پسریا دوجا کہیں ورشٹار

۷- ہر رنگی اک رنگی ٹھاکر۔

۸- جت کت پیکھوں آئیو۔

۹- تو جل تھل مہیل بھرپور لینا آپے سرب سمانا۔

۱۰- سب دیکھے انو بُجھے کا داتا۔

۱۱- ایکو رُوپ سگلو پسارا۔

اس پرکار ہم نیک اُپاسنا سادھن والی وراٹ اُپاسنا کو مختصر طور پر بیان کر کے اب اس کے پھل کو بھی ہم تھوڑے میں ہی اشارۃً کہے دیتے ہیں۔ جو پھل اس اُپاسنا سے اُپاسک کے ہردے میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ انہتہ کرن کی پرم نرملتا اور شُدھتا ہے جسے اُردو داں صفائی قلب کہتے ہیں۔ جس کے پیدا ہونے پر ہی یہ ادھیکاری گیان و گیان کے یوگ ہوتا ہے۔ اور جس کے بغیر برہم وِدیا میں ادھیکار نہیں رکھتا۔ ایسی پوترتا اُدے ہونے پر خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اور تمام کینے اور بغض یعنی راگ اور دویش نشٹ ہو جاتے ہیں۔ اور تب ہی میل دُگل ہوا یہ سب کا ہنکاری اور پیارا ہو جاتا ہے۔ نہ کسی کو دُکھ کا موجب ہوتا ہے۔ اور نہ ہی خود دُکھ پاتا ہے۔ اس حالت میں تمام دیوی گُن مثلاً کرونا۔ میتری۔ مُدتا اور اُپیکھشا اُس میں سمندر میں ندیوں کی طرح خود بخود چلے آتے ہیں۔ اور یہ ایک لا انتہا کور بے بہا شانتی کو انوبھو کرنے والا ہوتا ہے۔ تب یہ سورج کی طرح تیجسوی۔ چاند کی طرح روشن۔ ہمالیہ کی طرح اسیم ٹھنڈا اور سمندر کی طرح گمبھیر ہو جاتا ہے۔ اور پرماتما کے پروکھش گیان سے سمپن ہو کر کرتیہ کرتیہ ہوتا ہے۔ من اور اندریوں کے اُوپر قابو پانے والا مہان آنند کا بھوگتا ہوتا ہے۔ اُس کی خوشی کی حد نہیں رہتی۔ اور برہم آنند کا سمندر اُچھلنے لگتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جب کہ پورن پرماتم کرپا کا لابھ اس نے کیا ہے اور سرب آتم درشٹی سے سمپن اور سجاتی اور وجاتی بھید بھرم کو ناش کر کے وشودیا پی آتم پریم کو جا کیا ہے۔ یہ ہی جلوہ سریانی ہے۔ جسے پروکھش آتم درشن کے نام سے گرنتھ کاروں نے لکھا ہے۔ یا جس کو ہم نے وراٹ اُپاسنا۔ بھگوت کرپا اور چت شدھی ان تین ناموں سے پڑھا ہے۔ اس طرح یہ وراٹ اُپاسنا پھل والی ہوئی اختتام کو پاتی ہے۔ اور جلوہ عریانی یعنی اپروکھش آتم ساکھیات کار کے لئے جسے بجز حسیات کے نہیں پا سکتا۔ یوگ۔ نیائی چیتار بہتر ہوتی ہے ٭

دان ویر مہاراجہ رگھو اور کوتس رشی

سورج بنسی خاندان میں جیسے اکشواکو اجمیدھ ادھیراج بہت مشہور ہوئے ہیں۔ ویسے ہی مہاراجہ رگھو بھی بڑے مشہور شور بیر۔ بنع فیض۔ دھرماتما۔ اور کریم النفس حکمراں ہو گذرے ہیں۔ انہیں کے نام سے رگھو ونش خاندان کی ابتدا اور شہرت ہوئی۔

اسی وجہ سے بھگوان رام چندر جی رگھوبر۔ راگھو۔ راگھو پتی۔ رگھو بنس بھوشن۔ رگھوناتھ وغیرہ ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔

راجہ رگھو بڑے دھرماتما تھے۔ انہوں نے اپنی ہمت و شجاعت سے تمام دنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ یہ اپنی رعایا پر نہایت ہی مہربان تھے۔ اپنی رعایا سے لگان وغیرہ بھی بہت کم وصول کرتے تھے۔ اور مفتوح راجاؤں کو بھی صرف اپنا ماتحت قرار دے کر چھوڑ دیتے تھے۔ اور کوئی مزید سختی اُن پر روا نہ رکھتے تھے۔

ایک دفعہ یہ دربار میں بیٹھے تھے۔ کہ ان کے پاس کوتس نامی ایک سناتک رشی کمار آئے۔ مہاراجہ نے اُن کا نہایت ہی پرتپاک استقبال کیا۔ اور خوب خاطر تواضع کی۔ رشی کمار نے حسب قاعدہ اظہار مسرت کرتے ہوئے خیر و عافیت پوچھی۔

تھوڑی دیر کے بعد رشی کمار نے رخصت طلب کی۔ مہاراجہ نے فرمایا۔ کہ اے برہمن دیوتا۔ تشریف آوری کا باعث کیا ہے۔ اظہار مدعا کے بغیر ہی آپ کیوں واپس جا رہے ہیں۔ رشی کمار بولے۔ اے راجن! میں نے آپ کی سخاوت کا شہرہ سنا ہے۔ آپ نہایت ہی کریم النفس ہیں۔ میں ایک خاص مدعا کو لیکر حاضر خدمت ہوا تھا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنا تمام زر و مال یگیہ میں دان کر دیا ہے۔ یہاں آکر میں نے صاف طور پر دیکھ لیا ارگھیہ دینے کے لئے بھی سورن پاتر (سونے کا چمچہ) نہیں ہے۔ اور آپ نے ہمیں مٹی کے برتن میں ہی ارگھیہ (پوجا کا جل) دیا ہے لہذا اب میں آپ سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ مہاراجہ بولے۔ نہیں برہمن! آپ مجھے اپنا مدعا ضرور بتلایئے۔ میں حتی الوسع اسے ضرور پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ ہر طرح سے تسلی رکھیں۔

سناتک نے کہا۔ ہے راجن! میں نے اپنے گورو کے پاس رہ کر سانگ اوپانگ ویدوں کا مطالعہ کیا۔ بعد ازاں گورو جی سے گورو دکشنا قبول کرنے کی پرارتھنا کی۔ وہ بولے ہم تمہاری خدمت سے ہی مطمئن ہیں۔ ہمیں مزید

وکشنا کی ضرورت نہیں۔ گورو جی کے انکار پر بھی میں بار بار اصرار کرتا رہا۔ اس پر آخرکار انہوں نے کہا۔ کہ اچھا تو چودہ لاکھ طلائی مہریں ہمیں لا کر دو۔ پس اب میں اسی غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں۔

مہاراج نے کہا۔ اے برہمن۔ میرے ہاتھ میں دھنش بان (تیر و کمان) کے رہتے ہوئے کوئی بھی برہمچاری برہمن میرے ہاں سے ناامید ہو کر چلا جائے تو میرے راج پاٹ۔ دھن و دولت پر لعنت ہے۔ آپ تشریف رکھیے میں کوبیر لوک پر چڑھائی کر کے اُن کے ہاں سے دھن لا کر آپ کی نذر کروں گا۔

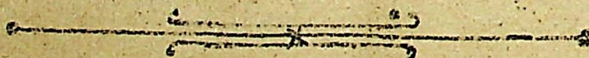
پس مہاراج نے فوج کو کمربستہ ہونے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی کہ فوج آراستہ ہو گئی۔ فیصلہ ہوا کہ کل کوچ ہو گا۔ خزانچی نے حاضر ہو کر عرض کی کہ مہاراج آج رات کو سونے کی بارش ہوئی ہے۔ اور تمام خزانہ طلائی مہروں سے بھر گیا ہے۔ مہاراج نے جا کر دیکھا کہ ہر جگہ اشرفیاں ہی اشرفیاں بکھری پڑی ہیں۔ وہاں جتنی اشرفیاں تھیں ان سب کو مہاراج نے اونٹوں پر لدوا کر رشی کمار کے ساتھ بھیجا جانا۔

رشی کمار نے دیکھا کہ یہ اشرفیاں تو مقررہ تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ تب اس نے راجہ سے کہا۔ مہاراج مجھے تو صرف چودہ لاکھ ہی درکار ہیں۔ اتنی اشرفیاں میں کیا کروں گا۔ مہاراجہ نے فرمایا۔ کہ اے رشی کمار یہ سب اشرفیاں آپ کی خاطر ہی آئی ہیں۔ آپ ہی ان سب کے حقدار ہیں۔ لہٰذا یہ سب آپ کو قبول کرنی ہی ہوں گی۔ آپ کے نمت آئے ہوئے دھن کو بھلا میں کیسے لے سکتا ہوں۔

رشی کمار نے ہر چند انکار کیا۔ لیکن مہاراج اپنی ضد نہ چھوڑتے تھے۔ تاہم آخرکار رشی کمار صرف حسب ضرورت ہی دھن لے کر اپنے گورو کے پاس چلے گئے۔ جو دھن باقی بچا وہ برہمنوں میں لُٹا دیا گیا۔ ایسا داتا روئے زمین پر کون ہو گا۔ جو اس طرح بھکاریوں کے منورتھ پورا کرنے کا سامرتھ رکھتا ہو۔

آخرکار مہاراج مذکور تمام راج کاج اپنے بیٹے اج نامی کو سونپ کر تپسیا کرنے کے لئے جنگل کو روانہ ہو گئے۔ اسی اج کے بیٹے راجہ دشرتھ ہوئے جنہیں تینوں لوک کے مالک شری رام چندر جی کے پتا ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

ناظرین غور کیجیے کہ ہمارے بھارت ورش میں کیسے کیسے دانی ہو گزرے ہیں۔ جن کے کارنامے سُن کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں ٭



بزرگوں کے کارنامے

شری دیوی دیال جی آتشؔ

وہ دن ہمکو وہ اکثر ہم کو راتیں یاد آتی ہیں
گذشتہ قومی رفعت کی وہ باتیں یاد آتی ہیں

وہ دن روئے زمیں پر جب ہماری کامرانی تھی
وہ دن جب بحر میں بر میں ہماری حکمرانی تھی

وہ دن ذلت غلامی کی نہ تھی جب اپنی قسمت میں
ہماری غیرتیں سوتی نہ تھیں یوں خوابِ راحت میں

وہ دن جب دھرم کی اُلفت سے مُنہ موڑا نہ تھا ہم نے
اسے بیکار دوستو جان کر چھوڑا نہ تھا ہم نے!

وہ دن بھارت وطن تھا اُن جواں ہمت دلیروں کا
کہ جن کی اک گرج سے دل دہل جاتا تھا شیروں کا

بہادر بھیم ارجن سے شیوا پرتاپ سے یودھا
زبانِ خلق پر ہے آج تک تذکرہ جن کا

وہ رام اور کرشن سے مردِ مجاہد یاد آتے ہیں
دلاور اور قومی تِلک اور زاہد یاد آتے ہیں

اِدھر اک ہاتھ سے وہ ظلم کی ہستی مٹاتے تھے
اُدھر اک ہاتھ سے مظلوم کی ڈھارس بندھاتے تھے

زباں پر آج بھی بھولے سے جب آتا ہے نام اُن کا
ہمارا خود بخود اُٹھ جاتا ہے سر فخر سے اُونچا

سلف کی یادِ شیریں میں ہمیں تسکین ملتی ہے
دوائے بیقراری اور دلِ غمگین ملتی ہے

مہاتماؤں کے جیون کا سار

دھرم اُپدیش

قسط اوّل

جیسے لکڑی میں آگ موجود ہے۔ لیکن ظاہر نہیں ہوتی۔ اِسی پرکار پرماتما سرو ویاپک یعنی سب جگہ موجود ہوتے ہوئے بھی دِکھائی نہیں دیتے۔ وہ اِن آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔ لیکن وچار سے سمجھ میں آتے ہیں شردھا پوررک دھیان اور بھگتی کرنے سے اور جس مورتی پر شردھا ہو اُس کا ہردہ میں دھیان کرنے سے بھگوان کا ساکھشاتکار ہوتا ہے :۔

جب تک آتم گیان نہ ہو۔ شانتی نہیں مل سکتی۔ جگت کے سب پدارتھ ناشوان ہیں۔ آتما ہی ستیہ اور آنند سروپ ہے۔ اِندریوں کے بھوگ عارضی سُکھ دینے والے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا انجام دُکھ اور سنتاپ ہے۔ بھوگ ہی روگوں کا کارن بنتے ہیں۔ اس لئے تمام بھوگوں کا تیاگ کرنا چاہیئے۔ اَنّ اور بھوجن ساتوِک ہونا چاہیئے۔ مانس مدرا وغیرہ خوراک سے تموگُن بڑھتا ہے جیوہتیا سے پُنیہ کا ناش اور پاپ کی بردھی ہوتی ہے۔ جیسا اَن کھایا جاتا ہے ویسی ہی بُدھی بنتی ہے۔ اور جیسا سنگ ہوتا ہے من اور بُدھی بھی اُسی طرح کے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سجنوں کا سنگ اور ست شاستر (گیتا۔ اُپنشد۔ برہم سوتر۔ یوگ واشِشٹ۔ گورو گرنتھ وغیرہ) کا ادھیَین کریں۔ اور سداچاری آتم گیانی شروتری برہم نِشٹھی وِدوان اُتم مہاپرشوں کی سنگت ہی کا دوسرا نام ست سنگ ہے۔ شاستر کے وِرُدھ چلنے والے پاکھنڈی اور آتم گیان سے وَنچِت سادھوؤں کی سنگت کرنا ست سنگ نہیں کہلاتا۔ ست سنگ وہی ہے۔ جس سے ست وستو یعنی آتما کا گیان ہو۔ باقی سب دنیاداری ہے۔ ست سنگ تین پرکار کا ہے پہلا سنگ ہے دھارمک پُستکوں کا پڑھنا۔ دُوسرا ست سنگ ہے مہاپرشوں کی سنگت تیسرا اور اعلےٰ ست سنگ ہے۔ آتم وچار۔ ایکانت میں بیٹھو۔ اکیلے سیر کرو۔ اکیلے سو دو۔ اکیلے رہو۔ ندی۔ پربت یا جنگل میں اکیلے رہنے سے پرماتما کا انوبھو ہوتا ہے۔ یقین اور بھروسہ بڑھتا ہے۔ جب سب آسرے چھُوٹ جاتے ہیں۔ تو فقط ایشور پر ہی نربھر رہنا پڑتا ہے۔ دُکھ سُکھ گرمی سردی بھوک پیاس وغیرہ برداشت کرنے کی طاقت ملتی ہے۔ اکیلے رہنے سے بھگوان کا نام اور سمرن ہوتا ہے۔ اِس لئے اکیلے رہ کر

بھگوان کے نام کا خوب جاپ کرو۔ اکیلے وچار کرو۔ اکیلے شاستر کا چنتن کرو۔ ساتوک آہار کرو۔ پیٹ بھر کر مت کھاؤ۔ بلکہ تھوڑا بھوکے رہا کرو۔

گرہستی لوگ اگر اپنا کلیان چاہتے ہیں۔ تو اُن کو گائیتری منتر کا جاپ کرنا چاہئیے۔ گائیتری ماں کی طرح سب سُکھ دینے والی ہے۔ دھرم۔ ارتھ۔ کام اور موکھش چاروں پدارتھ اس کی شرن لینے سے ملتے ہیں۔ گائیتری منتر سے اگنی میں روزانہ آہوتی دینی چاہئیے۔ روزانہ بھگوان شنکر کی دھوپ دیپ سے پوجا کرنے پر دھن۔ اولاد اور ہر پرکار کے دُنیاوی سُکھ پراپت ہوتے ہیں۔ ماتا پاربتی کی اُپاسنا سے گیان۔ ویراگ اور پرم سِدھی کی پراپتی ہوتی ہے ایسا کتھن آدجگت گورو سوامی شنکر آچاریہ جی کا ہے۔ جنہوں نے اُن کی اُستتی میں آن پورنا ستوتر کا برمان کیا ہے جس کا آخری شلوک ہے۔ آن پورنے سدا پورنے شنکر پران ولبھے

گیان ویراگیہ سدھ ارتھنگ

بھکشانگ دیہی چہ پاروتی

اگر چاہتے ہو کہ تمہیں ہر پرکار کے سُکھ ملیں تو دوسرے پرانیوں کو سُکھ دو۔ بھوکوں کو ان دو جس کے پاس کپڑا نہیں۔ اُس کو کپڑا دو جس کے پاس جوتا نہیں۔ اُس کو جوتا پہناؤ۔ کسی بھکشو کا کبھی اپمان نہ کرو۔ کچھ نہ کچھ دیکر اُس کی پرسنتا حاصل کرو۔ اگر پرماتما نے تمہیں اقبال دیا ہے۔ تو نمرتا کا گُن اپناؤ۔

ہے باغِ جہاں میں گر تجھے ہمتِ عالی
کر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ
دیتے ہیں ثمر شاخ ثمر ور کو جھکا کر
جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

جس کے گھر میں استری۔ بالک۔ بردھ۔ روگی۔ اتتھی۔ سدا پرسن رہتے ہیں۔ اُسی گھر میں اقبال۔ فارغ البالی۔ شُکھ اور شانتی سدا نواس کرتے ہیں۔ جس گھر میں استریوں کا نرادر ہوتا ہے۔ اور ماں باپ کی سیوا نہیں ہوتی۔ وہاں اشانتی رہتی ہے۔ اور لکشمی کی جگہ کو لکشمی ڈنکا لیتا۔ دِرِدرتا کا بول بالا ہو جاتا ہے۔ اور مقدمہ۔ بیماری۔ ناداری۔ وغیرہ کا گرہ چکر شروع ہو جاتا ہے بیٹے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور پاپ کرم بڑھنے لگتے ہیں۔ پھر روگ شوک۔ سنتاپ ڈیرہ جما لیتے ہیں۔ جو انسان چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ سُکھی رہے۔ اُسے چاہئیے۔ کہ وہ دھرم پرائن رہے۔ اپنا کھان پان اور کاروبار ستوگنی رکھے۔ جیو جنتوؤں پر دیا کرے۔ کسی کا دل نہ دُکھا دے۔ سب کو پرسن رکھے۔ کسی سے حتے الوسع سیوا نہ لے بلکہ تن۔ من اور دھن سے سب کی سیوا کرنے کا عادی بنے ملازموں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ رشتہ دار اور اقربا حقین کے دُکھ سُکھ میں حصّہ لے۔

اگر تم دُکھی ہو۔ تو سمجھ لو کہ تم میں دیا کم ہے۔ دیا ہین کے پاس دُکھ جہاں تہاں سے کھوجتا ہُوا چلا آتا ہے۔ جس میں دیا ہے جس کا ہر ذرہ دیا سے کومل ہے اُس کے پاس سُکھ چاروں اطراف سے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جو دُوسرے کا دکھ دیکھ کر پرسنّ ہوتا ہے اُس کے پاس دُکھ ضرور آئینگے۔ دُوسرے کو دُکھی دیکھ کر اُس کی سہایتا کرو۔ دیا کرو۔ اگر کچھ بھی نہ بن پڑے تو اس کی حوصلہ افزائی کرو۔ اور اُس کا دُکھ دُور کرنے کے لئے بھگوان سے پرارتھنا کرو۔

جب جب من میں اشانتی ہو۔ تب تب سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ہم بھگوان کو بھول گئے ہیں۔ اِس لئے اُسی سمے بھگوان کا سمرن اور دھیان کرنا چاہیئے۔ اہنسا دھرم کو اپنانا چاہیئے۔ کیونکہ اہنسا ہی پرم دھرم ہے اور جیووں کی ہنسا کرنا (مارنا) سب سے بڑا پاپ ہے۔ دیا کرنا سب سے بڑا دھرم ہے۔ جیسا کہ سنت تُلسی داس جی نے فرمایا ہے۔

دیا دھرم کا مُول ہے نرک مُول ابھیمان
تُلسی دیا نہ چھوڑیئے۔ جب لگ گھٹ میں پران

کبیر صاحب نے فرمایا ہے کہ جیو ہتیا کرنے سے سب دھرم کرم رسانل کو چلے جاتے ہیں۔ گویا تمام نیک کرموں کا ناش ہو جاتا ہے۔

عملی جیون

اگر ہے جیون کی تجھ کو خواہش دھرم پہ تن من نثار کر دے
تجھے امارت کی گر طلب ہے لٹا دے دولت تو سیکھوں کو
خودی میں نقصان ہے سراسر جو فائدہ ہے تو بیخودی میں
یہ مانا ہے سخت آزمائش بچھا ہے مایا کا جال ہر سو
مٹایا چاہیے جو دردِ دُنیا تو صورتِ دردِ دین مراپا
مثالِ بلبل نہ رو جہاں میں تو گُل کی مانند خندہ زن ہو
مثالِ تخم اپنی کھو دے ہستی جہاں کو رشکِ بہار کر دے
مثالِ دریا جو پائے دیدے ملے کرامت انتظار کر دے
خدا سے ہی مانگ ناخدا بن کے تیرے بیڑے کو پار کر دے
تو وید کا پڑھ کے اسم اعظم طلسم یہ تار تار کر دے
کسی کے پاؤں میں خار ٹوٹے تو تیر اسینہ فگار کر دے
کھِل اور باغِ خزاں رسیدہ کو سرسبز لالہ زار کر دے

ستم ہے جا کرم کیجے جا۔ یہی تقاضا ہے عمل رِشی کا
اسی پہ عامل ہو جسم تو ہو کہ حق تجھے کامگار کر دے

مہرشی پتنجلی کا

اشٹانگ یوگ (مسلسل)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مترجم منشی سورج نرائن مہر

چوتھی فصل

پرانا یام کا پھل

بھگوان تپنجلی پرانایام کے دو پھل بتاتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس سے نور کا حجاب دور ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ یوگ کے اگلے انگ یعنی دھارنا میں بکار آمد ہے یعنی ابھیاسی کے من میں دھارنا کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔ یہ دونوں ایسی بدیہی اور صریحی باتیں ہیں۔ کہ ہر شخص تجربہ کر کے خود آزما سکتا ہے تھوڑے عرصے حلقوم کی نالی میں آتے جاتے سانس کی رفتار پر دھیان جانے کی مشق گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کرو۔ اور تمہیں ایسا محسوس ہونے لگیگا۔ کہ روشن پُر نور تارے سے چمکتے ہیں۔ یا بجلی کوندتی ہے یہ ہر ایک ابھیاسی کا تجربہ ہے یہ تو موٹا نور ہے۔ جیسے پران کی صورت بتایا جاتا ہے۔ اسی پرانا یام سے وہ حجاب بھی دور ہوتا ہے۔ جس کا پردہ کلیشوں نے چت کی صفا پر چھار کھا ہے۔ چت چونکہ ستوگن کا کاریہ ہے۔ اس لئے مصفا اور نوری ہے مگر جہل انانیت رغبت نفرت اور محبت زندگی پانچ کلیشوں نے جن کا مفصل بیان سمادھی کے ذکر میں آئیگا اس کی صفا کو اس طرح چھپا رکھا ہے جس طرح آفتاب یا ماہتاب پر بادل چھا جائیں۔ ان بادلوں کا اندھیرا پرانا یام کی مزاولت سے دور ہوتا ہے اور چت کی صفا کا نور اپنی جھلک دکھاتا ہے۔

یہاں اتنا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ بعض اس نور کی جھلک پر ہی قانع ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اور آگے کی ترقی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بعض کمبھک کی مشق بڑھا کر مداری یا بازیگر بن جاتے ہیں۔ سرکار و دربار میں جاتے ہیں۔ اور اپنا کمال دکھلانے کو کہتے ہیں۔ کہ ہمیں کوٹھے میں بند کر کے دروازے کا تیغہ کرا دو یا قبر میں دفن کر کے اوپر پہرہ بٹھا دو اور ہم پندرہ روز یا چالیس روز میں زندہ نکلیں گے۔ اس وقت ہمیں بھینٹ چڑھانا یا انعام و اکرام دینا۔ چونکہ انہیں یہ ورزش آتی ہے۔ کہ پران کو کسی جگہ میں روک لیں۔ اس واسطے حقیقت میں مہینہ دو مہینے بعد زندہ نکلتے ہیں۔ اور لوگوں سے چڑھاوے بارا جاؤں سے

بش یہاں نذرانے لے کر گھروں کو جاتے ہیں۔ اس قسم کے چشم دید واقعات لوگوں کے لکھے ہوئے تاریخوں میں ملتے ہیں۔ اور اب بھی اس علم کے جاننے والے کیا ہندوستان میں اور کیا اور ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سب ہٹ یوگی ہیں۔ جنہوں نے پران کے علم کو روٹی کمانے کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ انہیں روحانیت اور موکش مارگ پر چلنے سے کچھ علاقہ نہیں ہے ؛

گیانی اور راج یوگی آتے جاتے سانسوں پر دھیان جمانا اس واسطے شروع کیا کرتے ہیں کہ اس بہانے سے من یکسو ہو اور اس یکسوئی کی برکت سے وہ روحانی مرحلے طے کر کے کسی درجہ خاص پر پہنچیں۔ چنانچہ بھگوان پتنجلی نے اپنے یوگ کو پرانایام پر ہی ختم نہیں کر دیا ہے بلکہ پرانایام کو ایک ذریعہ قرار دیا ہے جس سے یوگ کے اگلے انگ یعنی دھارنا میں مدد ملتی ہے دھارنا کے معنی ہیں۔ ایک نقطے پر توجہ جمانا۔ چونکہ ابھیاسی مشق اس بات کی کر رہا ہے کہ اس کی توجہ سب طرف سے ہٹ کر صرف سانسوں یا پرانوں پر رہے اس واسطے ظاہر ہے کہ جس شے پر وہ توجہ جمانی چاہیگا۔ اسی مزاولت اور مشق کی برکت سے جما سکے گا۔ اور اس طرح اس کے لئے پرانایام آئندہ ترقی کا زینہ ثابت ہو گی۔ جن چیزوں پر توجہ جمانی چاہیئے ان کا ذکر مفصل و مشرح سادھنی کے بیان میں آئے گا ؛

ہاں یہ خیال رکھنا چاہئے۔ کہ انہیں دھیان جمانے کی چیزوں میں سے ایک پران بھی ہے۔ جو شخص اسی پر دھیان جما کر مختلف مرحلے طے کرتے ہیں۔ یعنی موٹے پران سے لطیف پران کی روک پر ترقی کرتے ہیں۔ ایک چکر سے دوسرے پر چڑھتے ہیں۔ سدھیوں اور شکتیوں پر دھیان نہیں دیتے۔ صرف یکسوئی کے واسطے پرانایام کی مزاولت کرتے ہیں۔ وہ انجام میں موکش کے بھاگی ہوتے ہیں کیونکہ پران کی حرکت کو روک لینا اور من کو چنچل نہ ہونے دینا ہی چت نرودھ کا دوسرا نام ہے اور جہاں چت رک گیا۔ تو ناظر کا اپنے سروپ میں قیام ہوتا ہے جو موکش کی حالت ہے۔

اس طرح راج یوگی راج یوگ کے ابھیاس سے موکش پد پر پہنچتے ہیں۔ گیانی کا راستہ ابھیاس نہیں ہے۔ بلکہ بیراگ اور بچار ہے۔ وہ دنیا کے نظاروں کو ناپائدار دیکھ کر ان کی طرف سے من میں بیراگ پیدا کرتا ہے اور بچار کرتا رہتا ہے کہ میں محض ان کا ناظر یا ساکشی ہوں۔ یہی موکش کے دو طریق ہیں ان میں جو نسا جس کو پسند ہے یا جس کے جو لائق ہو وہی اس کے واسطے بہتر طریق ہے۔ بعضوں کو یوگ آسان اور دلچسپ معلوم ہوا کرتا ہے۔ بعضوں کو گیان۔ چنانچہ من کے روکنے کا مضمون جہاں اٹھایا گیا ہے وہاں بھگوان پتنجلی کہتے ہیں۔ کہ اس کے دو طریق ہیں یعنی من ابھیاس یا بیراگ سے روکا جاتا ہے۔ چونکہ دونوں راستے یعنی گیان یا سانکھیہ اور یوگ یا ابھیاس ایک ہی منزل مقصود یعنی موکش پر پہنچانے والے ہیں۔ اس واسطے انہیں متضاد طریق نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جن میں بحث و مباحثے اور ایک دوسرے کو

بُرا بھلا کہنے سے کام بنا جائے۔ بلکہ جیسی بھگوان کرشن گیتا میں تعلیم دیتے ہیں۔ دونوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ شری بھگوان کہتے ہیں:

جو سانکھیہ کو اور یوگ کو سمجھے ہیں جدا ۔۔۔ نادان بچےؔ ہیں وہ نہیں ہیں دانا

"باقی پھر"

پربھو کی یاد

از شری سادھو رام لگاؔ ہمیر پوری

لگی ہے پیاس درشن کی بُجھا دوگے تو کیا ہوگا
بھن میں ہی درس اپنا دکھا دوگے تو کیا ہوگا
میرا من ہے بڑا دُکھ میں لگی ہے آس ملنے کی
پربھو جی جلد آکر جو بچا لوگے تو کیا ہوگا۔
لگی ہے پیاس درشن کی ــــــــ

کہاں ڈھونڈوں کسے ڈھونڈوں نہیں کچھ سمجھ آتا
میری آنکھوں سے پردے کو اُٹھا دوگے تو کیا ہوگا
لگی ہے پیاس درشن کی ــــــــ

پڑا ہوں میں پٹے دل سے اک آہ سی نکلتی ہے۔
آنکھوں سے نیر جاری ہے اُٹھا لوگے تو کیا ہوگا
لگی ہے پیاس درشن کی ــــــــ

تڑپتا ہر وقت رہتا ہے یہ دل تیرے ملنے کو
تڑپ سادھو کی آکر جو مٹا دوگے تو کیا ہوگا
لگی ہے پیاس درشن کی ــــــــ



از:- پنڈت مدن موہن جی ایم اے

● ایسا کونسا انسان ہے جسے خواب نہ آتا ہو۔ خواب ہماری زندگی کا ایک نہایت ضروری اور مفید حصہ ہے جیسے زندگی و موت کا آپس میں تعلق ہے ویسے ہی خواب و بیداری کا بھی ہے بلکہ اگر یوں کہا جاوے تو بیجا نہ ہوگا۔ کہ خواب میں سے ہی زندگی یا بیداری پیدا ہو کر پھر خواب میں ہی محو ہو جاتی ہے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ خواب کی دنیا ہماری جاگنے والی دنیا کی نسبت بہت قلیل اور ادنےٰ ہے اور کہ یہ بالکل بےبنیاد اور لغو ہے۔ مگر تجربہ سے ظاہر ہوا ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ درحقیقت خواب کی دنیا ہماری زندگی کا بہت بڑا اور وسیع حصہ ہے اور اس کا اثر ہمارے جاگنے والی دنیا پر اتنا گہرا اور مضبوط ہوتا ہے۔ کہ اسی کے آئین و قوانین کے مطابق ہی ہماری بیداری کی زندگی بسر ہوتی ہے۔

۲- پیشتر اس کے کہ ہم خواب کی تشریح کریں۔ بہتر ہوگا۔ کہ حالت بیداری کو اچھی طرح سمجھ لیں بیداری کے عام معنی ہی جاگنے کے یعنی اپنے ہوش و حواس میں رہنے کے ہیں۔ مگر ہوش و حواس ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ مثلاً بچپن کے ہوش و حواس اور جوانی کے ہوش و حواس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح جوانی اور بڑھاپے کے اور نو اور عین جوانی کی حالت میں بھی ہوش و حواس میں بیشمار تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ نشے کی حالت میں۔ بیماری میں تھکاوٹ میں۔ غصہ میں۔ اور اور کئی حالتوں میں یہ یکساں نہیں رہتے۔ درحقیقت ایسے بہت سے کم لمحے ہونگے۔ جن میں انسان کے ہوش و حواس نہایت درست ہوں۔ اور ہر شے کو اس کی اصلی حالت میں دیکھ سکیں۔ پس بیداری۔ بچپن سے لیکر مرنے تک بہت کم عرصہ تک ہماری رہنما ہوتی ہے۔

۳- اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خواب کیا ہے اور اس کا ہماری جاگنے والی زندگی سے کیا تعلق ہے خواب ہماری زندگی کا وہ حصہ ہے۔ جس میں ہماری خواہشات۔ ہمارے خیالات و جذبات اپنی اصلی حالت میں پہنچ سکتے ہیں۔ اور جہاں سے پیدا کردہ ہیں دہاں۔ کے بازی مانند بنش دے کر طرح طرح کے تماشے دکھاتے اور کام کرواتے ہیں۔ ہماری بیداری کی دنیا شعور کا ہے اور وہ بال وغیرہ کی قید میں ہے پچھلے واقعات دوبارہ نہیں گذارے

جا سکتے۔ مگر خواب کی دنیا جو کنہم ہے اور دیش کال وغیرہ کی قید سے صاف ہے۔ اس دنیا کے واقعات ہم اپنی مرضی کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ جو باتیں مدت ہوئی گذر گئیں۔ انہیں پھر سے دہرا سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ مرے ہوئے آدمیوں کو بھی پھر زندہ کر لیتے ہیں۔ ابھی دلی میں بیٹھے ہیں۔ ابھی خیال آیا لنڈن کا تو لنڈن جا پہنچے بیداری میں لنڈن خواہ دیکھا ہو یا نہ مگر خواب میں ضرور دیکھ لیتے۔ اور دیکھتے ہیں۔ اسی حالت میں جس کا نقشہ پہلے سے ہی دماغ میں موجود تھا بلکہ اس کے جو باتیں ہمیں بیداری میں میسر نہیں ہوتیں۔ ان کا لطف ہم خواب میں لے کر اپنی حسرت نکال لیتے ہیں۔ غرضیکہ خواب کی دنیا ایک ایسی دنیا ہے جس کا وجود صرف ہمارے خیالات میں ہے۔ اس دنیا کے کرتا دھرتا ہم خود ہیں۔

۴۔ اوپر کہا گیا ہے کہ خواب کا ایک خاص کارن ہماری دبی ہوئی خواہشات و نفسیات ہیں۔ زندگی میں ہماری بے شمار خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ اُن میں سے جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اکثر پوری ہو جاتی ہیں مگر جو بہت بڑی ہوتی ہیں۔ وہ عام طور پر پوری نہیں ہوتیں۔ اور اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی ہے۔ خواہش اگر پوری نہ ہو تو طبیعت بے چین کرتی ہے اس بے چینی سے بچنے کے لئے خواہش مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر خواہش کا ناش نہیں ہوتا بلکہ دب جاتی ہے اور دبی ہوئی خواہش گو ظاہرا مردہ ہو۔ مگر اندرونی طور پر اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ اور جب موقعہ دیکھتی ہے اپنی پوری طاقت کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہے۔ اور اس صفائی سے کہ خود خواہش کرنے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اسی کی خواہش ہے جو اس روپ میں اُس کے سامنے آئی ہے حالت بیداری میں انسان کے ہوش و حواس دبی ہوئی خواہش کو ظاہر ہونے میں مزاحمت پیدا کرتے ہیں۔ جہاں ذرا اُبھری کہ فوراً دبا دی گئی۔ مگر خواب یا نشہ کی حالت میں جب ہوش کا قبضہ دماغ پر ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ دبی ہوئی خواہش بلا روک ٹوک کئی قسم کے رنگ و روپ میں ظاہر ہوتی ہے اکثر نشے کی حالت میں کئی راز افشاں ہو جاتے ہیں۔ اور سرسام کے دورے میں کئی کلمات ایسے منہ سے نکل جاتے ہیں جس سے چھپے ہوئے جذبات کا انکشاف ہو جاتا ہے یہی حالت انسان کی اُسی وقت ہوتی ہے۔ جب وہ زندگی کے دم توڑ رہا ہو۔ اس لئے کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ جو خیالات و خواہشات انسان اپنی زندگی میں رکھتا ہے وہی زندگی کے خاتمہ پر اُسے پیش آتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ آدمی تمام زندگی کچھ اور سوچتا رہا ہو۔ اور مرتے دم کچھ اور۔

۵۔ جو تعلق ہماری خواب والی دنیا کا ہماری جاگنے والی دنیا سے ہے وہی ہماری موجودہ زندگی کا ہماری زندگی کے بعد والی دنیا سے ہے۔ جیسے ہم روزمرہ کام کرتے رہتے ہیں اور طرح طرح کے خیالات میں وابستہ رہتے ہیں۔ ویسے ہی ہمارے خواب بھی ہوتے ہیں۔ اور جس طرح ہماری تمام موجودہ زندگی گذرتی ہے اسی طرح ہماری مرنے کے بعد کی زندگی بھی گذرے گی۔ کئی آدمی کہتے ہوں گے۔ کہ مرنے کے بعد زندگی کا خاتمہ ہے تو پھر اور زندگی کہاں سے آ گئی؟ مگر یہ بات نہیں۔ مرنا تو صرف ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی

کا نام ہے اور موت صرف اس لیئے واقع ہوتی ہے کہ ہمارا جسم جو پرکرتی کے نیم کے مطابق ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے اور آخر کار پرانا اور بوسیدہ ہو کر بجائے مدد کے ہمارے لیئے اُلٹا بوجھ ہو جاتا ہے ہم اسے چھوڑ دیں۔ اور یہ اچھا بھی ہے اگر ہم اپنے جسم کی اچھی طرح حفاظت کر کے اس کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اچھی تندرستی کی حالت میں قائم رکھ سکیں۔ تو کئی زندگیوں کا کام ہم ایک ہی زندگی میں ختم کر سکتے ہیں۔ اور جنم مرن کے سلسلے میں کچھ حد تک رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ کئی رشیوں کے بارے میں اکثر سننے میں آیا ہے۔

۶۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواب و بیداری یا زندگی و موت کا یہ کھیل ختم کب ہوگا؟ اس کا جواب اگر غور سے دیکھا جاوے تو خود بخود معلوم ہو جاوے گا۔ مثلاً خواب کیوں آتے ہیں؟ دبی ہوئی خواہشات کی وجہ سے اسی طرح زندگی و موت کا سلسلہ بھی دبی ہوئی خواہشات کی وجہ سے جاری ہے۔ ہماری ایک خواہش ختم نہیں ہوتی۔ کہ دوسری پیدا ہو جاتی ہے جسم کی تو حد ہے یعنی کچھ عرصہ بعد یہ ناکارہ ہو جاتا ہے اندریاں حواس وغیرہ سب رفتہ رفتہ جواب دے جاتے ہیں۔ مگر خواہش کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا پرانی یعنی خواہش کنندہ کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیئے ایک نہیں بے شمار اجسام کی ضرورت ہے اور یہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک جسم کی ٹھیک ایسی ہی ضرورت ہے۔ کہ جس سے اُس کی خواہش نہایت مناسب طریقے سے پوری ہو سکے۔ مثلاً اگر کسی کی ساری زندگی وشے بھوگ اور کام اچھیا کی پوُرتی ہی میں گذری ہے یہاں تک کہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اور جسم بے کار ہو گیا ہے۔ تو اُس کی دوسری زندگی میں اُس کو جسم ایسا ملنا چاہیئے۔ کہ جس سے وہ اپنی اس خواہش کو اور اچھی طرح سے پورا کر سکے۔ خواہ ایسا جسم کسی حیوان کا ہی کیوں نہ ہو کہ جس سے انسانی شرم و حیا کی بھی قید نہ رہے۔ مگر اتنا ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو اکثر روتے دیکھا ہے کہ اُس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ افسوس! اگر اُن کو رونا ہی ہے۔ تو اس لیئے روئیں کہ ان کی خواہشات پوری ہو کر رہیں گی۔

۷۔ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب سب کی خواہشات پوری ہو جاتی ہیں اور ہو کر رہینگی۔ تو پھر دنیا میں نامناسبت کی وجہ سے یہ رونا دھونا کیوں پڑتا ہے؛ کوئی امیر ہے۔ کوئی غریب کوئی عالم ہے۔ کوئی جاہل کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت۔ کوئی تندرست ہے کوئی ناتواں۔ کوئی شہ زور ہے اور کوئی نیم جان اگر یہ سب اپنی اپنی خواہش سے ایسے ہوئے ہیں۔ تو پھر روتے کیوں ہیں، مگر کون ایسا ہوگا۔ جو اپنے لیئے یہ خواہش کرتا ہو۔ کہ وہ مفلس۔ اندھا۔ کوڑھی۔ بدصورت یا جاہل مطلق ہو۔ دنیا میں سب سکھ کے متلاشی ہیں۔ تو پھر یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ سکھ کی تلاش کرتے کرتے دُکھ میں پڑ جاتے ہیں مثلاً ایک شخص کی خواہش ہوئی۔ کہ وہ عیش و آرام کے لیئے کہیں سے روپیہ لائے اور تو کہیں سے ہاتھ لگا نہیں چوری اور دھوکے سے بہت سا روپیہ مل گیا۔ ابھی اچھی طرح آرام کرنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ بھید کھل گیا اور آنجناب گرفتار ہو کر جیل خانہ میں بھیج دیئے گئے۔ اب اُس سے اگر کوئی پوچھے کہ کیا وہ جیل خانے میں اپنی

خواہش سے کیا گیا تھا۔ تو ظاہرا تو وہ نہیں کہیگا۔ مگر درحقیقت وہ اپنے سُکھ کی تلاش کی خواہش سے بندھا ہُوا ہی جیل میں لایا گیا ہے اور یہیئے۔ ایک شخص وِشے بھوگ کی اچھیا سے ایک رنڈی کے گھر جاتا ہے۔ وہاں کسی بات سے تکرار ہو جاتی ہے۔ اور جُوتے کھاتا ہے بعد ازاں کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس کی خواہش جُوتے کھانا یا بیماری کا شکار بننا تو نہیں تھی۔ ہاں سُکھ کی تلاش میں رنڈی کے گھر جانے کی ضرور تھی۔ اور اسی وجہ سے اُس کو باقی ماندہ دُکھ بھی نصیب ہُوا۔ یہ تو رہا اسی زندگی کا معاملہ۔ اسی زندگی میں اب دوسری زندگی کا حال لو۔

یعنی اُن واقعات کا کہ جن کا تعلق جنم سے ہی ہے۔ جیسے جنم کے اندھے۔ کوڑھی وغیرہ جن کا کام سارا دن سڑک پر بیٹھکر گداگری کرنا ہے۔ اُن کی بابت یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ ان کی سزا اتنی لمبی تھی۔ کہ اپنے پہلے جنم میں ختم نہیں ہو سکی۔ لہذا دوسرے جنم میں بھی ان کو اس کا کچھ حصہ بھوگنا پڑا۔ انسانی جیل میں سے تو گنہگار مر کر باقی ماندہ سزا سے چھوٹ جاتا ہے مگر خدائی جیل خانے سے تمام سزا بھگتے بغیر وہ رہائی نہیں پا سکتا۔ خواہ وہ ایک زندگی میں بھوگے۔ دو میں۔ یا دس میں۔ پس سُکھ کی تلاش ہی دُکھ کا کارن ہے۔ تو پھر کوئی پوچھیے کہ کیا ہم دُکھ کی تلاش کریں۔ کہ سُکھ ملے؟ یہ تو نہیں ہو سکتا سُکھ کی تلاش تو آدمی کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ اس کے خلاف ہم کیسے چل سکتے ہیں! ٹھیک ہے مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ جہاں انسان سُکھ تلاش کرتا ہے۔ وہاں سُکھ نہیں ہے بلکہ سُکھ کے رُوپ میں دُکھ چھُپا ہوا ہے جب یہ نقطۂ نگاہ بدل جائے گا۔ اور وہ سُکھ کو اس کی اصلی جگہ تلاش کرے گا۔ تب ہی اُس کو اصلی اور دائمی سُکھ میسّر ہو گا۔

۹۔ اصلی سُکھ کی تلاش ایک دم ہی شروع نہیں ہو جاتی۔ راستہ میں کئی قسم کی رکاوٹوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہر روز اپنے من کی چال دیکھنی پڑتی ہے کہ وہ کس طرف جا رہا ہے کیونکہ من ایسا اُستاد ہے۔ کہ اکثر دھوکا دے جاتا ہے۔ اور معلوم نہیں ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے عقل۔ فہم۔ دانش وغیرہ سب من کے نوکر ہیں۔ اس لئے اُن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہری اوم تت ست

نوٹ

رسالہ اوم ہر انگریزی ماہ کی ۲۹۔ یا ۳۰ تاریخ کو شائع کیا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو وقت پر نہ ملے تو ۱۰ تاریخ کے بعد اور ۱۵ تاریخ کے اندر ہمیں مطلع کریں ہم اُنہیں دوبارہ فری بھیج دینگے اس کے بعد شکایت کرنے پر تعمیل نہ ہو گی۔

" منیجر "

پیداوار کا نیا ریکارڈ

یکم جولائی 1975ء سے اقتصادی پروگرام کا اعلان کئے جانے کے بعد قوم نے مصمّم ارادہ سے آگے قدم بڑھایا ہے۔ اس کے نتیجے ہیں :—

- اناج کی ۱۱ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن کی ریکارڈ پیداوار ہوئی ہے۔ اور ملک میں ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن اناج کا اسٹاک موجود ہے۔
- 1976-77ء کے پہلے چھ مہینوں میں صنعتی پیداوار میں 12 فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ پچھلے سال اس مدت میں تین فیصدی اضافہ ہوا تھا
- 1976ء کے پہلے سات مہینوں میں برآمدات میں 33.9 فیصدی اضافہ ہوا۔ جو ایک نیا ریکارڈ ہے۔

وحدت کا تماشا

شری سوامی پری پورنانند جی پورن

ذرے ذرے میں ترا حسن سراپا دیکھا
تیری کثرت میں بھی وحدت کا تماشا دیکھا

ڈھونڈنے والے تجھے کوہ و بیاباں میں گئے
ہم نے جب دیکھا تجھے دل ہی میں بیٹھا دیکھا

اہلِ دنیا کی نظر تجھکو دیکھے کیونکر
تجھکو عارف نے ہے بے نام و صور کا دیکھا

گرچہ ہر دل میں ترا حسن ہے جلوہ افروز
بحر و بر میں بھی ترا نور ہویدا دیکھا

پتے پتے سے پتہ ملتا ہے مجھ کو تیرا
ڈالی ڈالی میں بھی وحدت کا تماشا دیکھا

ذات تیری سے جدا کیونکر ہووے کوئی
چودہ طبقوں میں ترا گھر ہے ڈالا دیکھا

گرچہ رازق ہے سبھی دنیا کا واحد تو ہی
اپنے بندوں سے ترا ڈھنگ نرالا دیکھا

جان و دل ہیں فدا تجھ پہ ہو مرشدِ کامل
ترے قدموں کو ہے فردوس سے اعلےٰ دیکھا

علم و ہستی کے سوا کون ہے اس جا پورن
ہم نے تجھکو ہے فقط تیرے ہی جیسا دیکھا

مایاوی جگت

کی اُتپتی ۔ استھتی اور لے

ازقلم مہاتما شوبرت لال جی ورمن

یہ جگت جو تم کو نظر آرہا ہے برہمانڈی من کے سنکلپ کا تماشہ ہے ۔ جیسے جب تم خواب میں جاتے ہو وہاں کوئی چیز تمہاری ذات کے سوا نہیں رہتی ۔ مگر تم محض سنکلپ سے اپنی دنیا بنا لیتے ہو خیال کیا نہیں کہ سب کچھ موجود ہو جاتا ہے اور تم خواب کے تماشے دیکھنے لگتے ہو ۔ بجنسہ یہی کیفیت اس جگت کی ہے اور اسی وجہ سے عالموں نے اس سرشٹی کو "سوپن" کہا ہے ۔

جس وقت برہمانڈی من میں پھرنا ہوئی ۔ اُسی وقت اُس کے سنکلپ کی دو دھاریں پیدا ہوتی ہیں ۔ جن کو کال اور مایا کہتے ہیں ۔ یہ آج کل کے سائنس کی اصطلاحات میں مادہ اور طاقت یعنی ENERGY ۔ اور MATTER کہلاتے ہیں ان کی اپنی اصلیت کچھ نہیں ہوتی ۔ ان کے پس پشت اصلیت چھپی رہتی ہے ۔ اور وہ تماشہ دکھاتی ہے اور یہ جگت سوپن کے خواب کی طرح ہونے لگتا ہے اور بھاشا ہے ۔ اور جب وقت سنکلپ دور ہوا ۔ پھر نہ کہیں خواب ہے نہ خواب کے تماشے ہیں ۔ جو پہلے تھا ۔ وہی کیفیت اب ہے جیسے پانی کی جھیل میں لہریں اٹھتی ہیں ۔ بلبلے پیدا ہوتے ہیں ۔ اور پھوٹنے لگتے ہیں ویسے ہی اُس کے سنکلپ سے جگت پیدا ہوتا ہے جھیل کو ذرہ شانت ہونے دو ۔ نہ کہیں لہریں ہیں اور نہ کہیں بلبلے ہیں ۔ یہ صرف درمیانی حالت ہے اِس وجہ سے اُپنشد کہتے ہیں ۔ پہلے مُکت کی اوستھا تھی ۔ پھر بندھن ہُوا ۔ آخر میں پھر مکت ہے ۔ مکتی کی اوستھا اوّل اور آخر ہے ۔ درمیانی حالت بندھن کی ہے ۔ اور پھر ہم سب کو مکتی میں جانا ہوگا ۔ کیونکہ حرکت اصل میں ہمیشہ دائرہ کی صورت میں ہُوا کرتی ہے ۔ اور وقت تک کبھی پورا نہیں ہوتا ۔ جب تک جس جگہ سے ابتدا ہوتی ہے ۔ وہاں جا کر نہیں پہنچتا ۔

جس وقت یہ پھُرنا ہوتی ہے اُس سے پہلے سامیہ اوستھا رہتی ہے ۔ اِس سامیہ اوستھا کا نہ ہونا سرشٹی ہے ۔

ساامیہ اوستھا کا دور ہونا پرکرتی کی پیدائش ہے اصل میں پرکرتی ساامیہ اوستھا ہی ہے یہاں اس لفظ کو ہم اور کسی بہتر لفظ کے نہ ملنے کی وجہ سے استعمال کر رہے ہیں۔

ساامیہ اوستھا کے دور ہونے سے جب دو دھاریں کام کرنے لگتی ہیں۔ اُن سے جو پہلی حالت پیدا ہوتی ہے۔ اُس کا نام سانکھیہ کی اصطلاح میں بُدھی ہے یہ جگت میں محیط کلی اصول ہے کوئی بھی چیز اس بدھی سے خالی نہیں ہے۔ یہی مہت ہے۔ یہی عقل کلی ہے اسی سے سب کی پیدائش ہے تم دیکھتے ہو معمولی کاروبار میں بھی پہلے خیال ہوتا ہے تب سامان اور سامگری آتے ہیں۔ خیال سے پہلے تم بھی کوئی کام نہیں کرتے نہ سامان کو اکٹھا کرتے ہو۔

اس بُدھی سے پھر اہنکار (انانیت) اور چت پیدا ہوتے ہیں۔ اور من پیدا ہوتا ہے۔ اصل میں من بُدھ چت اور آہنکار چار چیزیں نہیں ہیں۔ اُن کے کام اور فرائض کی وجہ سے ایک ہی چیز کے چار نام رکھ لئے گئے ہیں۔ تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو۔

اس میں سے پھر پانچ تن ماترا ہیں یعنی سوکشم تتو پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کو شبد۔ سپرس۔ روپ رس۔ اور گندھ کہتے ہیں۔ پھر ان سوکشم تتوں سے مہا بھوت یعنی کثیف عُنصر پیدا ہوتے ہیں جن کو آکاش ہوا۔ اگنی۔ جل اور پرتھوی کہا گیا ہے یہ ایک ایک تتو سے پیدا ہوتے ہیں یعنی۔

شبد سے آکاش - سپرش سے وایو - روپ سے اگنی - رس سے جل اور گندھ سے پرتھوی - اور یہ ایسے ملے جلے پیدا ہوتے ہیں۔ جن پر غور کرنے سے ان کی ماہیت کا پتہ لگتا ہے۔

آکاش میں جب حرکت ہوئی۔ اُس سے وایو کی پیدائش ہوگئی ہے۔ اس لئے آکاش میں اپنا خواص شبد ہے اور شبد ہی آکاش کا گُن ہے۔ ہوا چونکہ آکاش سے نیچے کی حالت ہے اس لئے اُس میں اپنا گُن سپرش ہے اور آکاش کا گُن شبد ہے۔

جب وایو میں ہلوز پیدا ہوئی۔ اُس سے حرارت نکلی۔ یہ حرارت اگنی ہے۔ اگنی میں اپنا گُن روپ وایو کا گُن سپرش ہے اور آکاش کا گُن شبد موجود ہے۔

جب اگنی میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ منتھی گئی۔ اُس سے جل پیدا ہوا۔ جل میں اپنا گُن رس ہے روپ اُس میں اگنی کا گُن ہے۔ سپرش وایو کا گُن ہے۔ اور شبد آکاش کا گُن اُس میں موجود ہے۔ اسی طرح۔ جب پانی متھا گیا۔ تو اس میں ہوا اور حرکت پیدا ہوئی۔ تب اُس سے پرتھوی کا ظہور ہوا۔ پرتھوی میں اپنا گُن گندھ ہے رس جل کا گُن ہے۔ روپ اس میں اگنی کا گُن ہے سپرش وایو کا گُن ہے۔ اور شبد آکاش کا گُن اُس میں موجود ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا - جب سمندر میں لہریں آتی ہیں - اُس میں گاج پیدا ہوتا ہے اور یہ گاج پرتھوی کی شکل اختیار کرتا ہے - اور جب یہ ٹھہر جاتا ہے - اُسی سے جمادات - معدنیات - نباتات اور حیوانات سب پیدا ہونے لگتے ہیں - اور سرشٹی کا کاروبار شروع ہوتا ہے -

یہ مختصر بیان مہابھوت یا ستھول بھوتوں کی رچنا کا ہے -

اس کو تم غلط نہ سمجھو - زمانہ آرہا ہے - جب لوگ ایک مٹی کے ٹکڑے کو اٹھا کر پانی کی شکل میں تحلیل کر کے تم کو دکھا سکیں گے - اور پھر اس پانی کو گیس یا ایتھر پر مانوؤں کی شکل میں تحلیل کر کے اگنی کی شکل کر دکھا دینگے - اور یہ اگنی وایو کے روپ میں جا کر آکاش ہو جائیگی - یہ سب ابتدا میں ایک تھے اب خارجی دنیا میں انیک نظر آرہے ہیں - اس لیے جو تیز نگاہ والے ہیں - وہ پرتھوی میں جل - جل میں اگنی اگنی میں وایو - اور وایو میں آکاش کو دیکھتے ہیں -

جب جل میں پرتھوی قائم ہونے کی حالت میں آتی ہے اُس میں خارجی دنیا کے نقطہ نگاہ سے خاص قسم کی زندگی پیدا ہوتی ہے - اور یہ زندگی مختلف زندگیوں کے تماشے دکھانے لگتی ہے -

یہ ساری حالتیں تین گنوں کے پرتھک پرتھک کام کرنے کے نتیجے ہیں - اور سرشٹی میں یہی تین گُن خاص شکلوں کو اختیار کر کے ستھول جگت کی رچنا کرتے ہیں - پرانوں نے اُن کو شاعرانہ بندش کے سلسلہ میں جو صورتیں دی ہیں - وہ تمہارے سوچنے کے قابل ہیں - ستوگن کا روپ وشنو ہے - جو جل کے اوپر جہاں سرشٹی ہونے والی ہے قائم ہو کر برہما کو پیدا کرتا ہے - برہما رجوگن کا روپ ہے - نیچے زندگی کے کاروبار میں وشنو کا ہاتھ ہے - بیچ میں برہما ہے - اور اونچی حالت میں جو گُن والی شخصیت کام کرتی ہے - اور جس میں ساکھشی درشٹی اور کانٹ چھانٹ کا وصف ہے - وہ شیو ہے شیو اصل میں تموگن کا روپ ہے - اور تینوں مل کر بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے اپنا اپنا کام کرتے ہیں -

ہم نے ابھی تک سرشٹی کے کل مرحلوں کو بیان نہیں کیا زنجیر کی جو کڑیاں باقی رہ گئی ہیں - وہ گیان اور کرم اندریاں ہیں - ان کی بھی پیدائش من کے دوارا تتوں سے ہوتی ہے - آنکھ - ناک - کان - توچا (چرم) اور ذائقہ (زبان) گیان اندریاں ہیں - ہاتھ - پاؤں - اُپستھ - گدا - اور بانی (زبان یا قوت کلامیہ) کرم اندریاں ہیں - اور گو یہ سب ملی جلی حالت میں ایک دوسرے کے سلسلے میں کام کرتی ہیں - تاہم اپنے اپنے اصل میں بھی قائم رہتی ہیں - مثلاً

شبد سے آکاش اور زبان (قوت کلامیہ) کی ابتدا ہے اس لیے کان شبد کو سنتے ہیں - اور زبان شبد کا اظہار کرتی ہے -

سپرش سے توچا۔ اور ہاتھ کی ابتدا ہے۔ اس لئے توچا چھونے کی شکتی ہے اور ہاتھ اس کو گرہن کر
روپ سے آنکھ اور پاؤں پیدا ہوتے ہیں اس لئے آنکھ روپ کو دیکھتی ہے۔ اور پاؤں روپ
پاس لے جاتا ہے۔

• رس سے زبان (خوب ذائقہ) اور اُپستھی پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے زبان رس لیتی ہے اور
اُپستھی رس کو خارج کرتی ہے۔

گندھ سے ناک اور گدا پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ناک گندھ کو سونگھتی ہے۔ اور گدا گندھ کو
کرتی ہے۔

• یہ ان سب کے باہمی نسبت ہے۔

• یہ کرم اندریاں اور گیان اندریاں جہاں پانچ تن ماتراؤں سے سمبندھ رکھتی ہیں۔ ساتھ ہی مہابھو
کا کارج ہیں۔ ان سے علیحدہ نہیں ہیں۔ مثلاً

• آکاش جو شبد والا ہے۔ کان اور زبان کو اپنا انش بناتا رہتا ہے۔

• وایو۔ جو سپرش والا ہے۔ توچا اور ہاتھ کو اپنا انش بناتا رہتا ہے۔

• اگنی۔ جو روپ والا ہے۔ آنکھ اور پاؤں کو اپنا انش بناتا رہتا ہے۔

• جل۔ جو رس والا ہے۔ زبان (قوت ذائقہ) اور اُپستھی کو اپنا انش بناتا رہتا ہے۔

• پرتھوی۔ جو گندھ والی ہے۔ ناک اور گدا کو اپنا انش بناتی رہتی ہے۔ اسی طرح۔

• ان گیان اور کرم اندریوں میں تینوں گنوں کو بھی دیا پک سمجھو۔ مثلاً

• ستوگن کی لطیف انش گیان اندریہ یعنی کان۔ توچا آنکھ اور زبان (قوت ذائقہ) ہیں

• تموگن کے انش کرم اندریہ۔ یعنی ہاتھ۔ پاؤں۔ اُپستھی اور گدا ہیں۔

• ان گیان اور کرم اندریوں میں جو سرگرمی اور کام کرنے کی شکتی ہے وہ رجوگن ہے۔

• ان میں جو رجوگنی شکتی دیاپک ہو کر رہتی ہے۔ اُسی کو پنچ پران اور پنچ اُپ پران کہتے ہیں۔
پران۔ اپان۔ سمان۔ دیان۔ اُدان پنچ پران کہلاتے ہیں۔ کورم۔ ناگ۔ دھننجے وغیرہ پنچ اُپ پران ہیں۔
کہنے کے لئے تو یہ بہت ہیں اصل میں صرف وہی دو دھارا ہیں۔ جو من سے پیدا ہوتی ہیں ا
جس کو ہم نے اوپر میٹر اور انرجی کا نام دیا ہے من سے جو آکاش پیدا ہوتا ہے۔ وہ مادہ ہے
اور تمام مادی صورتیں اُس کی ہیں۔ اور من سے جو کریا شکتی والی دھار نکلتی ہے وہ پران ہیں۔ اور
سارے زور۔ بل۔ طاقت وغیرہ پرانوں کے ہیں۔ اور یہ من میں قائم ہو کر دا ہیہ جگت کا تماشہ
دکھاتے ہیں۔

یہاں تک سرشٹی کے مختلف مرحلوں کا مجملی بیان ہُوا۔ آؤ اور اب اُن کا شمار کرو۔

پہلا مرحلہ گُنوں کا ہے جو ست رج۔ اور تم کہلاتے ہیں۔ دوسرا بُدھی ہے ——— تیسرا ہنکار اور چوتھا من ہے۔ پانچواں شبد۔ سپرش روپ۔ رس۔ گندھ اور اُن کے پانچ کارج آکاش۔ وایو۔ اگنی۔ جل۔ پرتھوی ہے۔ چھٹواں مرحلہ گیان اندریہ۔ اور اُن کے وشئے یعنی آنکھ اور روپ۔ تو چا اور سپرش۔ کان اور شبد۔ ناک اور گندھ۔ زبان اور ذائقہ ہے۔ ساتواں مرحلہ کرم اندریہ اور اُن کے وشئے یعنی۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ اُپستھ۔ گدا۔ زبان (قوت کلامیہ) اور اُن کے بھوگ ہیں۔ ساتواں مختلف قسم کے حیوانات۔ نباتات وغیرہ یعنی چار کھان یا چار یونیاں ہیں۔ جن کو انڈج۔ پنڈج۔ اُدبھج اور ستھاور کہتے ہیں۔ یہ سات سرشٹی کے مرحلے ہیں۔ ان کو آپ اور طرح پر بھی تقسیم کرسکتے ہو۔ کسی قسم کی قید نہیں ہے جس کو جس طرح حقیقت کے سمجھنے میں مدد ملے۔ وہ اُن کو اُسی طرح تقسیم و تفریق کرکے سمجھ لے غرض صرف اصلیت کی مراد جذب کرنے کی ہے۔

یہ سرشٹی کہلاتی ہے۔ اور اس میں جو طاقت محیط کل ہو کر سب میں ویاپک ہے جو سب کے ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان وغیرہ اور تمام بُدھی من اور ستھول و سوکشم تتوں میں ویاپک ہے۔ ببراٹ سروپ پرماتما ہے۔ جو ہزار آنکھوں والا ہزار پاؤں والا اور ہزار ہاتھوں والا کہا گیا ہے اور جو سب کا سوامی ہے

تُو ہی تُو

ہیں وحدت میں کثرت میں تیرے ہی جلوے
نہاں تو ہی تو ہے عیاں تو ہی تو ہے
نہ پایا کسی نے بھی ادراک تیرا
گماں تو ہی تو ہے۔ بے گماں تو ہی تو ہے
سمایا ہے جلوہ تیرا ہر صدا میں
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
نمونہ ہے قدرت کا یہ جسم خاکی
ہے قالب بھی تو اور جاں تو ہی تو ہے
ہُوا حکم تیرے سے پیدا جہاں سب
نشانِ رہِ کن فکاں تو ہی تو ہے
گلوں میں مہک تیری گلشن میں رونق
ہر اک شے میں جلوہ کناں تو ہی تو ہے

سماجی ترقی

گذشتہ ۱۸ مہینوں میں ملک میں ایک پُرامن معاشی و سماجی انقلاب رُونما ہوا ہے:

- نومبر 1976 کے آخر تک تقریباً 71 لاکھ کنبوں کو مکان بنانے کی جگہیں مہیا کی گئیں۔ (اس کے لئے کُل مستحق کنبوں کی تعداد 113.6 لاکھ ہے)
- تمام ریاستوں میں زمین کی ملکیت کی حد کے تقرر کو عمل میں لانے کے لئے قوانین منظور کئے گئے ہیں۔
- گیارہ ریاستوں اور چار مرکزی علاقوں میں دیہی قرضوں کو ختم کرنے کی قانونی کارروائی کی گئی (انہیں قرضوں کی وصولیابی پر روک لگانے کی کارروائی بھی شامل ہے)۔
- 89,198 بندھوا مزدوروں کا پتہ لگا کر انہیں آزاد کرا دیا گیا ہے۔

DAVP- 76/885

جوگ ساگر

(مسلسل)

حضرت غلام جیلانی صاحب

یاد ہے۔ جوتی سروپ اندر ہردے وچہ تیرے لائے ہری ڈیرے
ڈوراں منکیاں وچہ ٹک بنی مالا ایسے طرح پیارا ہری تیڑے !
انتر دھیان ہو کے ذرا ویکھ گیانی مدن موہن دی مورتی وچہ تیرے
اپنے روپ وچہ جیوتی سروپ ویکھیں کا ہنوں تیر تقسیں ہار دا پھریں پھیرے
جدوں نہا دیں پریم دی وچہ گنگا پھیر ٹک جا سن تیرے کُل جھیڑے
غلام جیلانی جد ست گوراں دیا کیتی نیتر اَنتری جان گئے کُھل تیرے

کنتھا:- میرے پریمی سجنو! تم نے کبھی یہ جاننے کی بھی کوشش کی ہے۔ کہ میں کون ہوں؟۔ ذِہار نہیں کی! بلکہ تم نے تو ظاہری انگوں یعنی سر آنکھ کان ناک منہ وغیرہ کو ہی اپنا آپ مان لیا ہے مگر حقیقتاً تم یہ نہیں ہو۔ یہ تو اندریاں ہیں۔ تم اپنے ہونے کا اِن میں ابھیمان و خیال کرتے ہو کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم سنتے ہیں۔ ہم سونگھتے ہیں۔ ہم سپرش کرتے ہیں۔ اور ہم چکھ رہے ہیں)۔ یہ سب اندریاں اپنے اپنے بشے بھوگ رہی ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے تو نہیں دیکھتا۔ کان سُنتے ہیں۔ تو نہیں سُنتا۔ زبان رس لیتی اور اسی طرح ناک سونگھ رہی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس سب اندریاں اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ اور دوسرے کے کام سے بے خبر ہیں یعنی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ سُن نہیں سکتی اور کان سنتے ہیں۔ دیکھ نہیں سکتے۔ اسی طرح سب اندریاں اپنے کام کے سوا دوسرے کا کام نہیں دے سکیں۔ اور نہ دوسرے کے کام کی اُن کو اچھیا ہے۔ اور نہ یہ سمجھ سکتی ہیں۔ کہ پرماتما کہاں ہے۔ اور نہ اِن اندریوں سے پرماتما پہچانا جاتا ہے

تلسی بات اگم کی کہن سُنن کی ناہ جو جانے سو کہے ناہ کہے سو جانے ناہ

یعنی آنکھ دیکھ کر جان سکتی ہے۔ کان سُن کر معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر جو چیز دیکھی گئی یا سُنی گئی یا سونگھی گئی ہے۔ اس کی حقیقت نہیں بتا سکتے۔ مگر زبان کہ جس نے نہ دیکھا ہے۔ نہ سُنا ہے نہ سونگھا ہے۔ بتا سکتی ہے

اور بتاتی ہے۔ بڑے اچرج کی بات ہے کہ دیکھا آنکھ نے سُنا کان نے اور سونگھا ناک نے مگر یہ جاننے والی اندریاں بتاتی نہیں کہ کیا دیکھا کیا سُنا اور کیا سونگھا۔ بتاتی زبان ہے۔ اِس امر والی بات کو آتما شُدھ ہونے کے بعد جان سکتی ہے۔ مگر اندریوں کا ساتھ دینے سے من میں ہوس کھتائی آجاتی ہے اور وہ اگیانی ہو کر اصلی مطلب سے دُور ہو جاتا ہے۔

اے مکتی چاہنے والے سجنو! اپنے من کو جتن کر کے روپ رس۔ گندرس۔ جیبھ رس۔ سپرش وغیرہ سے روک ترشنا کو چھوڑ دو تاکہ چِت کو شبنتائی پراپت ہو۔ اِسی سے پرماتما کے درشن ہوتے ہیں۔ مہاں پُرش وہی ہے۔ جو آنکھ سے دیکھ کر ناک سے سونگھ کر ہاتھ سے چھو کر زبان سے چکھ کر اور کان سے سُن کر ان کے وش میں نہ ہو جائے بلکہ ان کو اپنے وش میں کرے۔ تب ہی دِل کو شانتی پراپت ہوتی ہے۔ اور یہی مُکتی ہے۔

جب تک جگیاسو علیٰحدہ بیٹھ کر اندریوں یعنی حواسوں کو قابو میں نہیں کرتا اور کامناؤں کا تیاگ نہیں کرتا من شُدھ نہیں ہوتا۔ اور جب تک من شُدھ نہیں ہوتا اُس وقت تک مُکتی کا ملنا مہان کٹھن ہے۔ جس طرح آگ پتھر سے عطر پھولوں سے گھی دودھ سے۔ اور تیل تلوں سے علیٰحدہ کیا جاتا ہے اسی طرح جگیاسو کو لازم ہے کہ سب سے علیٰحدہ ہو کر بیٹھ جائے اور حواسوں کو قابو کر کے جان کو بدن سے جدا ہوئی ہوئی سمجھے۔ کیونکہ بدن اور چیز ہے اور جان اور چیز۔ جب یہ ابھیاس پختہ ہو گیا تو پھر ابھیاسی کو کسی چیز سے تعلق نہیں رہتا۔ اور کسی چیز کی خوبُو اس کے اندر اثر نہیں کرتی۔

جان عین حق ہے۔ بدن اس کا مظہر۔ حق نے اس میں نزول وظہور کیا ہُوا ہے۔ بدن سے بے شمار اچھے اور بُرے کام ظہور میں آتے ہیں۔ مگر جان کو دوئی سے آلودہ نہیں کرتے۔ پچھلے مہاں پُرشوں نے بہت سے جوگ ابھیاس و مراقبہ یعنی سمادھی کی ورزش کی اور اعلےٰ اعلےٰ مراتب حاصل کئے۔ اُن سب کی یہی منشا تھی۔ کہ اپنے تئیں حق جانیں اور حق ہو جائیں۔ جب یہ مہارت پوری طرح پختہ ہو جائے تو لوک پرلوک کی کوئی مراد ایسی نہیں جو حاصل نہ ہو۔ جس کا باطن حواس اور خواہش کی حرکت سے خالی ہو گیا۔ وہ شخص اگر ایک بات نصیحت کی کسی کامل سے سُنے تو اُس کو وہی کافی ہے۔ اور اس پر اثر کر جاتی ہے جس طرح تیل کا ایک قطرہ پانی کی ساری سطح پر چھا جاتا ہے۔

کسی مہاں پُرش نے لکھا ہے۔ کہ بے خودی عجب عالم ہے نہ کوئی آرزو ہے۔ نہ تمنا نہ فکر ہے نہ غم بے فکری کے سمندر میں بیٹھے ہوئے جو چاہتے ہیں بے خوف وہراس کر گذرتے ہیں۔ کوئی اعتراض کرنے والا نہیں۔ اس کا لطف وہی خوب جانتا ہے جو اس سے واقف ہے۔

ہر شخص کیا جانے۔ کہ اُنہیں کس قدر اطمینان نصیب ہے۔ دنیا ایک ایسا مقام ہے جس میں کوئی شخص مگر دوں

سے خالی نہ ملے گا۔ ایسا کوئی نہیں جو دنیا میں آباد ہو اور اس سنساری زندگی میں اُسے کوئی اطمینان اور فارغ البالی کا وقت مل گیا ہو ہاں! اگر تھوڑا بہت اطمینان نصیب ہے۔ تو انہیں لوگوں کو ہے جنہوں نے افکارِ دُنیا کو لات مار کر سامنے سے ہٹا دیا اور بے فکر و بے ہراس بیٹھے ہیں۔

مرنے کی نہیں چنتا جیون کی نہیں آس ست چت آنند ہیں پربھو تورے داس
رکھو گا نا کچھ دیوگا نہیں نال ہڑیار دو ہی گلیں سُتھریا سائوں موج بہار

زمانے میں کچھ ہو رہا ہے انہیں پرواہ نہیں۔ انہوں نے اپنے تئیں تکلفاتِ دُنیاوی اور مذہبی قیود سے باہر کر دیا ہے صرف یہی نہیں بلکہ اپنے کو دنیا کی حدود سے باہر نکال دیا ہے۔ گویا اپنے حساب میں دُنیا میں ہی نہیں ہیں۔ بڑے بڑے اہم معاملات اور کبھی نہ کبھو لینے والے واقعات نظر کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ وہ آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ایسی بے خودی کی عینک آنکھوں پر لگی ہوئی ہے۔ کہ دنیا کے فتنہ و فساد کو دیکھتے ہی نہیں تمام وہ باتیں جو بڑے بڑے فلسفیوں اور داناؤں کو پریشان کر دیتی ہیں۔ وہ اِن سب سے الگ و بے خبر ہیں۔ زمانہ انہیں دلفریب دلبستگیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ بڑی بڑی دلفریب چیزیں دکھا کر اپنا جادو ڈالتا ہے مگر وہ ذرا توجہ نہیں کرتے اس بے توجگی سے ٹال دیتے ہیں۔ کہ اہلِ غرض کے سامنے ساری دنیا اُن کے سامنے نادم ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ دُنیا والے صرف اپنی ذات کے لئے نہیں جاتے بلکہ اِن مستوں کو اور ان بیخود لوگوں کو طمع میں پھسلانے کے لیے قسم قسم کے نادر تحفے بیش قیمت چیزیں اور روپیہ وغیرہ لے جاتے ہیں۔ مگر وہ نفس پر قابو پا چکے ہیں۔ اور یہ سب چیزیں اُن کے دِل کو پرماتما کی طرف سے پھیر نہیں سکتیں۔ وہ اپنی دُھن کے پکے ہیں۔ اور جس قابلِ قدر مستانہ بے پرواہی سے بیٹھے ہیں۔ اُس میں کچھ رخنہ پڑنے نہیں پاتا۔ وہ مجذوبانہ طرز جو بیخودی کی ادائیں دکھاتی ہے وہ بھی لُطف سے خالی نہیں۔ دیکھو کیسی بے تکلفی سے زمین پر بیٹھے ہیں۔ اور یہ بھی غور کرو کہ صورت سے کیسی قیادت کی بے پرواہی ثابت ہے۔ زبان پر جو کچھ آتا ہے بے تکلف کہہ گزرتے ہیں۔ سنساری آدمی خواہ امیر ہو یا غریب اُن کے حال کو کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ جس پد میں وہ مہاتما بیٹھے ہیں۔ وہاں پر عقل کی رسائی نہیں وہ بدھی سے اگوچر (اونچا) پد (مرتبہ) ہے نہ شریعت ان کی زبان پکڑتی ہے۔ نہ حاکم شرع ان کا منہ بند کرتا ہے۔ اُن کے اکھڑے ہوئے بے ربط و بے سروپا جملے اس وحشت اور بے خودی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ جو اُن پر طاری ہے۔ لوگ کیسے ادب سے اُن کے سامنے حاضر ہیں۔ ان کی مجذوبانہ باتوں کو کس غور اور اعتقاد سے سُنتے ہیں۔ اور اُن کی زبان سے نکلے ہوئے بے معنی الفاظ میں اپنے اپنے مقاصد اور اغراض کے موافق کیا معنی لگاتے ہیں۔ یہ امر مشکل سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ زمانہ ان کی قدر اس درجہ تک کیوں کرتا ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ اور دنیا کی دولت اور عزت کو بے قدری اور نفرت سے دیکھتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ بے خودی نے اپنے بس میں کر کے ایک دُھن میں لگا

دیا ہے۔ جو خیال دِل میں پیدا ہو گیا ہے۔ ہر وقت اُس میں ڈوبے رہتے ہیں۔ انصاف سے پوچھیئے تو صرف بیخودی نے اُن کو اس قابل بنا دیا ہے۔ اگر یہ خود فراموش نہ ہوتے تو ایسے بھی نہ ہوتے جیسے کہ ہیں۔

ایک دفعہ ہمارے ست گورو سوامی جی نے بیان کیا۔ کہ ہم نے ایک گاؤں کے قریب ہندوستان میں دو پرم ہنس دیکھے جو سمادھی لگائے ہوئے بیٹھے تھے کسی بے رحم نے اُن کی رانوں پر دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے تھے۔ ہم نے اس بے رحم ظالم کو ڈانٹا تو وہ بھاگ گیا ہم نے جو قریب جاکر دیکھا تو ایک کی ران جل چکی تھی۔ لیکن دوسرے کی ران پر کچھ اثر نہ تھا۔ ہم نے جھٹ پٹ انگارے الگ کیئے۔ اور نزدیک کے گاؤں سے ادویات لاکر مرہم تیار کر کے زخموں پر لگانی شروع کی تقریباً بیس روز کے بعد وہ زخم بالکل راضی ہو گئے۔ ان پرم ہنسوں کو نہ انگارے رکھنے والوں سے کچھ عداوت تھی۔ اور نہ ہم سے کچھ محبت نہ اُس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور نہ ہم کو محبت کی نظر سے دیکھا۔ مندرجہ بالا درشٹانت بیان فرماکر سوامی جی نے دریافت کیا کہ بتاؤ اِن دونوں میں سے کونسا افضل تھا۔ حاضرین میں سے ایک نے جواب دیا۔ کہ جس کی ران نہیں جلی تھی۔ وہ افضل تھا۔ سوامی جی نے فرمایا۔ کہ نہیں جس کی ران نہیں جلی تھی۔ اُس کی نظر ابھی جسم کی طرف تھی لیکن دوسرے کی محویت اعلےٰ درجہ کی تھی۔ کہ تن بدن کا بھی ہوش باقی نہ رہا تھا۔ ایسی محویت کروڑوں میں سے کسی ایک کو ہوتی ہے۔ ہر شخص اس مقام کے لائق نہیں۔

جہاں پریم اگنی جرے کہاں نیم گلزار
لوک دید کُل لاج کو کیا پریم نے جھار

ایک بنیئے نے کسی ساہوکار سے قرضہ لیا تاکہ بنج بیوپار کرے روپیہ ادھارے کر اس نے بیوپار شروع کیا۔ اور بیوپار میں گھاٹا پڑ گیا۔ تو بنیا بہت حیران ہوا۔ اور ساہوکار کے پاس جاکر ہاتھ جوڑ کر بنتی کی کہ اگر آپ دیا درشٹی کر کے کچھ روپیہ قرضہ سے چھوڑ دیں تو باقی روپیہ جس طرح ہو سکے میں ادا کروں۔ ساہوکار کو بنیا کی عاجزی پر رحم آگیا۔ اور حساب قرضہ بھی بنیا کے آگے لاکر رکھ دی اور کہا کہ لو جو چاہو اس میں سے ایک رقم مٹا دو۔ جو باقی رہے وہ ادا کردو۔ بنیا بھی قرضہ اپنے آگے رکھ کر کچھ دیر سوچتا رہا آخر کار اپنا نام ہی قرضہ سے مٹا دیا۔ اور بہی ساہوکار کے حوالہ کی کہ لو مہاراج اب جو کچھ باقی ہے مجھے بتاؤ کہ میں ادا کردوں۔ ساہوکار نے بہی بغور دیکھی اور کہا کہ اب بہی قرضہ کس سے لوں بہی پر تو کسی کا نام ہی نہیں۔ ارے بنیا یہ تم نے بڑی چالاکی کی۔ جاؤ اب تم قرضہ سے فارغ ہو۔ میرے پریمی سجنو بھراتا جی! اس طرح اگر جگیا سو سنسار کی بہی سے اپنا نام مٹا دے تو اُس کے ذمہ کوئی پاپ دوش کا قرضہ کچھ باقی نہ رہے گا۔ ؎

دے تیاگ پنچ تتو کی یہ اپنی ہستی پیارے
تو مٹا کے بھرم اکھشر نرلیپ ہو جگت میں

بولو ست نام ہری ادم ہری اوم

مجلس عارفان

منتخب از ادویت درشن وغیرہ مصنفہ ویدانت آچاریہ شری سوامی چیتیانند جی مہاراج چیداکاشی
مرتبہ شری لکشمی چند گروور۔ شاہدرہ

(۱)۔ جیسے دیپک کے آشرے سب کاریہ سدھ ہوتے ہیں۔ پرنتو دیپک اکریہ اور اسنگ رہتا ہے۔ ویسے ہی چیتن پرکاش کے آشرے سب کاریہ سدھ ہوتے ہیں۔ پرنتو چیتن پرکاش اکریہ اور اسنگ رہتا ہے سو چیتن سب کا آتما ہے۔ اسمیں سخت ہونا شکوہ اور شانتی کا ہیتو ہے۔

(۲)۔ شانتی نام واسنا کے ابھاؤ کا ہے۔ جیسے جیسے واسنا ناش ہوتی جاتی ہے ویسے ہی ہردیہ میں شانتی کا پرواہ چلتا ہے۔

(۳) جو شاستر وید ارحقول میں پورن ہے۔ انتر باہر۔ اوپر نیچے۔ نرپکیش ویاپک اور نج سنھت ہے۔ اسی کو برہم کہتے ہیں۔

(۴)۔ خود سپردگی کی تہ میں بڑی عظیم قوت چھپی ہوتی ہے۔ اس لئے جو کام بھی درپیش ہو۔ اس کو مالک کا ہی کام سمجھ کر اس کے سپرد کرتے چلے جانا چاہیئے۔ حمد وثنا کی تہ میں بھی یہی راز پوشیدہ ہے ہر چیز کو یہ سمجھ کر کہ وہ اس مالک کی ہے۔ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اور طلب نیز خواہش کو ایک قالب بے جان بنا دیا جائے۔

(۵) بے تعلقی کا راستہ اختیار کئے بغیر طبعیت دنیا کی طرف سے کبھی اچاٹ نہیں ہوتی اس لئے بیکار بحث ومباحثہ سے دل اور زبان کو جس قدر علیحدہ رکھیں گے۔ دل اتنا ہی مطمئن۔ اور یقینی طور پر پرماتما کی کرپا کا پاتر ہوگا۔

"ادم"

چشمِ حقیقت

از منشی بخشی چند گردور۔ شاہد

یہاں دیکھا وہاں دیکھا۔ تجھے میں نے نہاں دیکھا   کُھلی چشمِ حقیقت جب۔ تجھے میں نے عیاں دیکھا
گلی کوچے محلّوں میں ویرانے۔ کوہ و بن میں   مِری آنکھیں ہوئیں خیرہ۔ تجھے میں نے جہاں دیکھا
چمن میں مرغزاروں میں سمندر آبشاروں میں   دریا کے کناروں میں تجھے میں نے عیاں دیکھا
پہاڑوں کی فضاؤں میں وکیف آور ہواؤں میں   تخیّل کے جلوے جہاں پر۔ تجھے میں نے وہاں دیکھا
جوانوں کی جوانی میں بُڑھاپے۔ ناتوانی میں   اور بہتے تیز پانی میں تجھے میں نے رواں دیکھا
چھپا تاجِ شاہی میں خرق۔ کاسۂ گدائی میں   نوائے بے نوائی میں تجھے میں نے یہاں دیکھا
دلِ مضطر کی زاری میں ہجوم بے قراری میں   و آہیں۔ اشکباری میں تجھے میں نے فغاں دیکھا

تلاشِ یار میں ہر سو۔ کیوں پھرتا ہے شاہد تو
نظر ڈالی ہے اندر جب سے تجھے میں نے عیاں دیکھا

بھارتی معیشت میں وسیع پیمانے پر مزید ترقی کے روشن

امکانات

بھارتی معیشت میں بڑی تیزی سے توسیع ہوئی ہے۔ بھارت نے نہ صرف سکّے کے پھیلاؤ پر قابو پا لیا ہے۔ بلکہ اس کا رُخ ہی موڑ دیا ہے۔ اور قیمتوں میں ٹھہراؤ آ گیا ہے۔

- اناج کی ۱۱ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن کی پیداوار کا نیا ریکارڈ قایم ہوا ہے۔ اور اس وقت ملک میں ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن سے زیادہ اناج کا اسٹاک ہے۔
- مالی سال کے پہلے چھ مہینوں میں صنعتی شعبے میں بارہ فیصد کی شرح سے ترقی ہوئی جبکہ پچھلے سال کی اس مدت میں یہ صرف تین فیصد تھی۔ 77-1976ء میں پچھلے سال کے مقابلے میں دس فیصد زیادہ صنعتی پیداوار متوقع ہے۔
- اپریل سے ستمبر 1976ء تک کے عرصے میں 1975 کی اس مدت کے مقابلے میں بجلی کی پیداوار 16.4 فیصد بڑھی ہے۔
- اپریل سے اکتوبر 1976ء تک کے عرصے میں بھارتی برآمدات میں 33.9 فیصد کا قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔ اور اس مدت میں درآمدات میں 9 فیصد تک کمی ہوئی ہے۔
- بیرونی ادائیگیوں کی پوزیشن میں نمایاں بہتری ہوئی ہے۔ غیر ملکی سکّے کا ریزرو حصول آزادی کے بعد پہلی بار ۵۰۰ کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔
- پبلک سیکٹر میں ترقی کی شرح تقریباً بارہ فیصد ہے۔
- روپے کی قوت خرید میں 17 سے 21 فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔

یہ کامیابیاں اس بات کی مظہر ہیں کہ بھارت کی حکومت اور جنتا نے ترقی کے لئے اس وسیع اور سرگرم عمل ملک کے تمام تر وسائل کو بروئے کار لانے کا پختہ عزم کر رکھا ہے۔

"اِک جوت سرب ویاپک"

اپنا احساس

از قلم: سنت پورن سنگھ جی بہیر

مَیں ایک دن دھیان میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اور پریم جوت کے دھیان میں اِسقدر ڈوب گیا تھا کہ اپنے آپ کو بالکل بھول گیا ــــــ جو کچھ آنند میں نے محسوس کیا۔ اُسے محسوس تو کر رہا تھا۔ اور اُس آنند کی مستی سے سرشار ہو رہا تھا ــــــ اب کوئی مجھ سے پوچھے کہ ڈوبنے سے کیا مِلا تو میں تو یہی کہونگا کہ بھائی ڈوبنے کے اندر کا لُطف تو ڈوبنے والا ہی جانتا ہے ۔

ڈوبنے سے کیا مِلا کسی ڈوبنے والے سے پُوچھ　　تیرنے والے کو کچھ نہ کی خبر ہوتی نہیں

مَیں جب آٹھویں جماعت میں پڑھا کرتا تھا۔ تو مَیں بار بار کتاب میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

ڈُوب کر دِل میں پالے سراغِ زندگی　　میرا نہیں میرا نہ بن اپنا تو بن

مَیں جب پندرویں ۱۵ سولھویں ۱۶ سال میں ہُوا تو بار بار میرے دِل میں یہی خیال موجیں لیتا رہا۔ کہ اگر ڈوبنے سے سراغِ زندگی مِلتا ہے تو کیسے ڈُوبوں ــــــ آخر اندر سے آواز آئی۔ کہ تیری زندگی سرب ویاپک زندگی کا جزو اُنش ہے یعنی تو جزو ہے اور وہ کُل ہے ۔ جزو کو کُل میں لانیکے بعد جزو کُل ہی ہو جایا کرتا ہے۔ اور پھر اپنا تماشا آپ دیکھتا ہے۔ مَیں ایکاگر ہو کر سب کچھ چھوڑ کر ایک کے دھیان میں محو ہو گیا۔ باقی سارے خیالات دِل کے نکال دیئے۔ یوُں یوُں ابھیاس بڑھتا گیا۔ میں ایک میں مِل کر ایک ہی ہو گیا۔ میری حالت اُس قطرے کی طرح ہو گئی جو دریا میں مِل کر دریا ہی ہو جایا کرتا ہے۔

قطرہ وچ دریاوے مِل جائے اوہ دریا نہ کھیڑنے کی کہیئے

بس اب حالت یہ ہے میں ایک ہی دیکھتا ہوں۔ ایک ہی سُنتا ہوں۔ اور ایک ہی بولتا ہوں اور وہ ہے اِک جوت سرب ویاپک ایک دِن موج میں بیٹھے یہ شبد مُنہ سے نکلے ــــــ باقی سارے چھڈ خیال ــــــ سجن وسّے تیرے نال

اپنے من نوں مَنہ بھٹکا ــــــ اندر گہرا دھیان لگا ــــــ اِک جوت وِچ من وسا ــــــ باقی سارے چھڈ خیال سجن وسّے تیرے نال ــــــ ہو ماں ساری کرُدے دان ــــــ اندر اپنا پیا پہچان ــــــ ہردے نوں تو کر وِشال ــــــ باقی سارے چھڈ خیال ــــــ سجن وسّے تیرے نال۔

جس نے اندر دھیان لگایا۔ اِک جوت دا درشن پایا ــــــ بھرم بھلیکھا پرے گنوایا ــــــ باقی سارے چھڈ خیال۔ سجن وسّے تیرے نال ــــــ ست گورمتیوں رمز بتائی ــــــ گھٹ بھیتر ہی کھوج بھائی ــــــ دُبدا دُور کرو لِو لائی ــــــ باقی سارے چھڈ خیال ــــــ سجن وسّے تیرے نال۔

پریم ہی پرمیشور ہے

سنت پُورن سنگھ جی

کیا پریم انوکھی وستو ہے — میں اس کا بھید نہ پاتا ہوں
میں یوں یوں لکھتا جاتا ہوں — پھر لکھنے سے گھبراتا ہوں
کیا اور کسی کا کہنا ہے — میں اپنی بات سُناتا ہوں
جو پریم میں مجھ سے بیتے ہے — وُہ سارا حال سُناتا ہوں
کبھی بیٹھ اکیلا خلوت میں — پریتم کا دھیان جماتا ہوں
پریتم سے نین مِلا کر میں — پریتم کا ہی ہو جاتا ہوں
کبھی دِل سے باتیں کرتا ہوں — دِل کو ہی مبہت بناتا ہوں
جو دِل کی باتیں ہوتی ہیں — وُہ دِل کو کھول سُناتا ہوں
جو راز ہیں میرے سینے کے — وُہ دِل کو سب دِکھلاتا ہوں
جو دِل اپنے کا مطلب ہے — وہ دِل سے ہی میں پاتا ہوں
آنکھوں میں مستی آتی ہے — میں مستانہ بن جاتا ہوں
جو کہنا ہے وہ کہہ کہہ کے — خود اپنا دل پرچاتا ہوں
مجھے دیوانہ سب کہتے ہیں — میں سب کچھ سُنتا جاتا ہوں
پریتم کا بن کے دیوانہ ! — پریتم کی شان بڑھاتا ہوں
۔! بیتر میں پریم پُجاری ہوں — دُنیا کو پریم سِکھا دوں گا

بس پریم ہی خود پرمیشور ہے
گھر گھر پیغام پہنچا دوں گا

بھگت لوکناتھ گوسوامی

شری کرشنا کانت پچھاکر

لوکناتھ گوسوامی کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔ مشکل سے کم سنی کی حد پار کر پائے تھے۔ کہ دِل گھائل ہو گیا۔ ایک تیر کھا کر۔ تیر کیا تھا۔ دِل کو چیر کر جگر تک اُتر گیا۔ اور ایک نہ مٹنے والا میٹھا درد بن کر خُون کے ساتھ رگ رگ میں دوڑنے لگا۔

یہ تیر تھا عشق الٰہی کا تیر ـــــ بھگوت پریم کا بان جس کے لگتے ہی انسان کی آتما تڑپ جاتی ہے اور تڑپتی رہتی ہے جیون بھر ـــــ جیون بھر ہی کیا' اس کے بعد بھی جب وہ کسی دُوسرے جسم میں جا آباد ہوتی ہے تڑپا کرتی ہے اور اُس وقت تک چین نہیں پاتی جب تک کہ وہ تمام سنساری مایاوی بندھنوں سے مکت ہو کر اپنے پریم آدھار آنند گھن آراد ھیہ دیو میں فنا نہیں ہو جاتی ـــ سمندر میں ندی کے ایک ایک قطرہ کی مانند! یہی حالت تھی۔ لوکناتھ گوسوامی کی بھی' وہ عشقِ حقیقی کا تیر کھا چکے تھے۔ وہ بے تاب رہتے تھے۔ تڑپا کرتے تھے۔ اُن کا دِل بھاڑ میں پڑے دانے کی مانند تڑ تڑایا کرتا تھا ـــــ ہر وقت، ہر گھڑی ہر پل اور چھن چھن۔ اندر ہی اندر گھُٹتے رہنا چھُپ چھُپ کے رویا کرنا، رہ رہ کر کراہنا۔ چپکے چپکے نالہ کرنا، آہیں بھرنا، طبیعت اُچاٹ، کھانے کی فکر نہ پینے کی چنتا۔ عجیب کیفیت تھی۔ اُن کی۔ لیکن حیرت تھی۔ کہ اس عُمر میں ہی اُن کو یہ روگ کیوں کر لگ گیا تھا؟ جو کیفیت و محویت بھکتی مارگ کے بڑے بڑے سادھکوں اور بھگوت پریمیوں کو عُمر بھر کی ریاضت کے بعد بھی میسر نہیں آتی۔ وہ اُنہیں اپنے آپ چھوٹی ہی عمر میں کیسے مِل گئی تھی؟

لوکناتھ ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ وہی اُن کی خوشیوں کے واحد مرکز تھے۔ وہی گھر کی رونق تھے اور وہی ماں باپ کے سرو سوو ـــــ دھن، مال، آشا، ترشنا اور جیون بھی۔ لوکناتھ کے پروان چڑھنے سے پہلے ہی اس عجیب سی دیوانگی بیقراری، دُنیا سے بے رُخی بیقراری، دُنیا سے بے رُخی اور جیون سے بیزاری سی کی حالت میں دیکھ کر ماں باپ کے دِل پر جو گذرتی تھی وہ بیان سے باہر ہے۔

اُنہوں نے لوکناتھ کو بہت سمجھایا مگر لوکناتھ کے اندر جو آگ لگ رہی تھی جو اگنی بھڑک رہی تھی وہ کسی کے بس کی نہ تھی، آخر اُن کے والدین نے ایک تجویز سوچی تو سہی لیکن کتنی غلط تھی۔ وہ تجویز جنگل میں پاگل ہاتھی کو کچے دھاگے سے باندھنے کا خواب! ہیرے کے خریدار جوہری کو کنکر سے بہلانے کی طفلانہ حرکت! لوک ناتھ کی عشق حقیقی میں سرگشتہ آتما کو گرہست کے جھوٹے سکھ میں پھانسنے کی بے معنی و فضول کوشش تھی۔

لوکناتھ کے کانوں میں اُن کے بیاہ کی تجویز کی بھنک پڑ گئی۔ وہ اس سازش کے مقصد کی تہ تک اُتر گئے۔ انہیں اندر سے ایک زبردست دھچکا لگا، کواڑ کھل گئے اور وہ چل نکلے ماں، باپ اور گھر بار کی موہ مایا کا جال توڑ کر۔

سردی کا موسم، مگھر کا مہینہ، رات کا وقت، آسمان صاف، پورنماشی کا چاند نہایت آب و تاب سے جلوہ گر تھا۔ چاند کی ملائم ملائم کرنیں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اور امرت رس برسا برسا کر کبھی کا کسی تک سندیش پہنچا رہی تھیں۔ لوکناتھ کو محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اُس کے ہردیہ کو گُدگُدا کر کوئی کہہ رہا تھا۔

"چلو۔ وہ کب سے ـــــ زمانہ ابدی سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ چلو۔ اس دلربا درخت کے تلے وہ کھڑا جھرمٹ میں چھپا تمہاری راہ تک رہا ہے۔ کب سے کتنے جنموں سے تم بھٹک رہے ہو! اُس کے دل میں تمہارے لئے کتنی کشش ہے! تم سے ملنے کے لئے کتنی بیقرار ہی ہے! کاش! تم سمجھتے! تم جانتے! کب تک بھٹکتے رہو گے۔ اے اگیانی پرانی! آنکھیں کھول کر دیکھو، میں اسی کا امرت سندیش تمہیں سُنا رہا ہوں ـــــ مجھ میں جس جیون کراسی کا امرت رس برس رہا ہے۔"

لوکناتھ نے آسمان کی جانب دیکھا اور پھر دیکھا۔ اس امرت میں ڈوبی ہوئی چاروں طرفوں کو، چاند جو کچھ کہہ رہا تھا۔ کروڑ کروڑ نکشتر بھی اُسی کی ہامی بھر رہے تھے۔ دور، بہت دور، کوئی آہستہ آہستہ بنسی بجا رہا تھا۔ اور اس کی دھیمی دھیمی میٹھی میٹھی رس بھری تانیں لوکناتھ کے کانوں میں سے اُتر کر دل کو بھگو رہی تھیں ـــــ اس میں جذب ہوئی جاتی تھیں۔ "اچھا میں آتا ہوں" کہہ کر لوکناتھ اُٹھا اور پیار سے پریم مارگ میں چل پڑا۔



شری چیتنیہ مہا پربھو کی دھوم تھی۔ اُن دنوں بنگال میں آپ کے روپ میں بھگوان ہی کا اوتار ہُوا تھا۔ یہ بات سب بھکتوں کے دل کی گہرائیوں تک اُتر چکی تھی۔ اس لئے آپ کے پاس بھکتوں کا جمگھٹا سا لگا رہتا تھا۔ بھجن اور کیرتن کا رنگ جما رہتا تھا۔ اُن دنوں آپ نودیپ میں جلوہ گر تھے۔

ساتھ ہی ان کے دل میں کئی طرح کے خیالات اُٹھتے تھے ——— "جانے مہا پربھو مجھ پر نگاہِ کرم کریں گے اپنے چرن کملوں کی دھول بھی ماتھے پر لگانے کے قابل سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ ممکن ہے میں آپ کے درشن بھی نہ کر سکوں، مجھے شاید آپ تک کوئی پہنچنے بھی نہ دے بے شمار اور ایک سے ایک بڑھ کر ہیں آپ کے بھگت لیکن نہیں آپ بڑے ہی مہان، وشال ہردے ہیں، غریب نواز ہیں، مجھے اُٹھا کر اپنی گود میں چھپا لیں گے! میں پریم کے آنسو بہا بہا کر آپ کی گود شرابور کر دوں گا! دل کی باتیں آپ کے دل سے کہوں گا ——— بہت کچھ کہوں گا۔ نہ ختم ہونے والی پریم کی کتھا آپ سے سنوں گا۔ اور سناؤں گا۔"

انہی خیالات کی لامتناہی ادھیڑ بن میں لگے لوکناتھ جا رہے تھے۔ رات بھر چلتے رہے اگلی صبح بھی چلتے رہے۔ کہیں آرام نہیں کیا۔ ذرا ستانے کا نام نہیں لیا۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا، اس پر بھی تکان نہیں، بھوک نہیں، پیاس نہیں، چلے جا رہے ہیں مست اپنی ہی دھن میں۔ آخر شام کے وقت نودیپ کی گلیوں میں چکر کاٹ رہے تھے چلتے چلتے انہیں محسوس ہوا جیسے کسی نے اشارہ کیا کہ مہا پربھو اسی میں ہیں۔ لوکناتھ اسی گھر میں داخل ہو گئے دل پریم، بھکتی اور مسرت کی بے حد فراوانی میں بے سکت سا ہوا جانے لگا چلنے کی تاب نہ رہی۔ سمجھنے سوچنے کی طاقت جیسے سلب سی ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن پھر بھی دیدار کی ایک تمنا ہی تھا انہیں کسی نہ کسی طرح آگے گھسیٹے لیے جا رہی تھی۔ کہ انہیں اپنا جسم ایک بھاری بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ ——— یہ تھا محبوب کا قرب حاصل ہونے کی اُمید کا اثر۔

لوکناتھ جی پہنچ ہی گئے۔ آخر اس گھر کے آنگن میں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ مہا پربھو ایک اونچے سنگھاسن پر براجمان ہیں شری واس، مکند اور مراری وغیرہ بھگتوں کی منڈلی آپ کو گھیرے ہوئے ہے۔ نگاہیں گڑی سی رہ گئیں بے جھپک آنکھوں سے لوکناتھ مہا پربھو کے درشن کا امرت پی رہا ہے۔ زبان بند تھی۔ راستے بھر کی وہ سوچی ہوئی سب باتیں ——— مہا پربھو سے ملوں گا۔ تو یہ کہوں گا۔ وہ کہوں گا۔ چرنوں کو چھاتی سے لگا کر آنسوؤں میں نہلا دوں گا۔ قدموں میں لوٹ جاؤں گا۔ غرضیکہ نثار ہو جاؤں گا! بھول گئیں۔ اور وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے، پتھر کی مورت سے۔

آنگن میں بت سنگین کی مانند کھڑے اس نوخیز لڑکے پر مہا پربھو کی نظر پڑی۔ وہ دوڑے ——— آسن چھوڑ کر اچانک دوڑے، بازو پھیلا کر۔ لوگ حیران تھے، مہا پربھو نے سب کے دیکھتے دیکھتے لوکناتھ کو بغلگیر کر لیا ——— لوکناتھ تم اتنے دن مجھے بسار کر کہاں بیٹھ رہے تھے۔ پیارے!" مہا پربھو نے پریم میں ڈوب کر کہا۔ مہا پربھو سے آنند بھری بغلگیری حاصل کر کے لوکناتھ عقل و ادراک اور ہوش و حواس سب کچھ کھو بیٹھے۔ وہ پربھو کے پہلو میں بیہوش ہو گئے۔ یہ تھی۔ بھگت کے پریم ملن کی ادستھا۔

پانچ دن اس پاگل پن میں اس عجیب و الہانہ میں گویا پلک مارتے ہی گذر گئے، کمال بیخودی تھی وہ۔

چھٹے دن مہا پربھو نے لوکناتھ کو بُلا کر بڑے پیار سے کہا۔

پیارے لوکناتھ! اب تم جاؤ ____ مُرلیا والے کے دیس میں جاؤ ____ برندا بن میں جہاں کنہیا گوپیوں اور گوالوں سے راس لیلا رچایا کرتے تھے۔ اس پنیہ پریم بھومی میں برکشوں کے نیچے جہاں جگہ ملے پڑے رہو۔ آس پاس کے گاؤں سے بھکشا کر کے کھا لو۔ بے روک ٹوک شری جمنا جی کا نرمل جل پیٹ بھر کر پیو۔ پہننے کے لئے چیتھڑوں کی گدڑی بنا لو۔ مان اور عزت کو سخت زہر سمجھو۔ نیچوں کے ذریعے بے عزتی کو امرت جانو۔ شری رادھا مادھو کا بھجن کرو۔ لیکن پیارے! برندا بن کبھی نہ چھوڑنا۔ بس یہی میری آگیا ہے۔

لوکناتھ پر بجلی ٹوٹ پڑی۔ اس کا کلیجہ دھک سے بیٹھ گیا، اس لئے نہیں کہ وہ برندا بن جانے سے گھبراتے تھے یا مسافت کی سختیوں سے بھے کھاتے تھے بلکہ اس لئے کہ اُن کے لئے شری مہا پربھو کے چرنوں سے ایک لمحہ بھی جُدا ہونا دوبھر تھا۔

مہا پربھو نے لوکناتھ کی یہ حالت دیکھ کر اُن کے دل کی جان لی اور اُن کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:۔

"تم اتنے دُکھی کیوں ہوتے ہو لوکناتھ! میں تمہیں دل سے جُدا نہیں کر رہا بلکہ یہ جُدائی تو چند ہی دنوں کے لئے ہے۔ ویسے بھی ہم تم جدا ہو ہی کیسے سکتے ہیں؟ میں جلد ہی تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ مانگھ کے شروع ہوتے ہی سنیاس لے کر گھومتا پھرتا اُدھر ہی آنکلوں گا تم برندا بن کے لئے ہماری پیشقدمی کرو۔ برندا بن میں ان تمام ستھانوں کو کھوج نکالو۔ جہاں جہاں بھگوان نے لیلا کی تھی۔ تمہارے پیچھے اور بھی ویشنو برندا بن جائیں گے۔" اس طرح مہا پربھو نے لوکناتھ کو تسلی و تشفی دی۔ وہ تیار ہو گئے۔

دوسرے دن صبح ہی لوکناتھ مہا پربھو سے وداع کی اجازت لینے آئے۔ پربھو کے چرنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دئے، کدادھر پنڈت اور اُن کے شسشیہ بھوگربھ وہیں تھے کوادھر کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے یہ پریم بھرا نظارہ دیکھ کر بھوگربھ بھی ضبط نہ کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھوگربھ بھی برندا بن جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور گورو سے اجازت مانگی۔ بھوگربھ کو بھی اجازت مل گئی۔ اور لوکناتھ و بھوگربھ برندا بن کی طرف روانہ ہو گئے۔

آج سے چار سو سال پہلے بنگال سے برندا بن جانے میں کتنی مشکلات تھیں۔ اس کا اندازہ ہم نہیں کرسکتے کیونکہ اب نقشہ ہی کچھ اور ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کے جال بچھ گئے ہیں۔ ذرائع آمد و رفت نہایت اچھے ہو گئے ہیں۔ خیر لوکناتھ اور بھوگربھ لگ بھگ دو ماہ سے زیادہ دیر کی مسافت کے بعد برندا بن پہنچ ہی گئے۔ پاؤں سوج گئے تھے، چھالے پڑ گئے تھے۔ خون بہتا تھا۔ بھوک پیاس کی سختیوں سے جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ لیکن اُن کا دل ابھی زندہ تھا۔ اور پہلے سے کہیں

زیادہ آنند سے سرشار تھا۔ برندابن پہنچتے ہی اُن کی مستی کا عالم کچھ اور ہی ہو گیا۔ دیوانے سے ہو گئے۔ کبھی روتے کبھی ہنستے۔ کئی کئی دن مستی میں بے کھائے پیئے ہی پڑے رہتے۔ بھگوان کے کئی لیلا استھانوں کے درشن کئے۔ آخر چیر گھاٹ پر ڈیرے ڈال دیئے اور آخری دم تک وہیں بھگوان کی بھگتی میں گذار دیئے اُن کا جیون ایک آدرش پریمی، ایک آدرش وِرہی کا جیون تھا جس میں اکھنڈ اور بے روک میٹھی میٹھی یاد کا رس تھا۔ وہ جیون جس میں بھگوان کے لئے درد، سوز و ساز اور بے پایاں محبت تھی۔ "اوم شم"

جذباتِ سالک

از قلم پنڈت رام لال جی سالک

ششیہ شری سوامی رامانند جی مہنس

جلوہ ہر سُو ہے ضوفشاں اُس کا — ہر مکیں وہ ہے، ہر مکاں اُس کا
پتے پتے میں ہے جھلک اُس کی — ڈالی ڈالی پہ آشیاں اُس کا
اِک نگاہِ کرم سے رہبر نے — رازِ مخفی کیا عیاں اُس کا
کون کہتا ہے اُس کو ہرجائی — کیا نہیں لامکاں، مکاں اُس کا
ذرے ذرے میں ہے نمود اُس کی — چپہ چپہ ہے رازداں اُس کا
خاکِ دشت و جبل یونہی چھانی — اپنے دل میں ملا نشاں اُس کا
عشق میں غیریت نہیں ممکن — وہ جہاں کا ہے یہ جہاں اُس کا
واقفِ رازِ حق ہوئے جب سے — ہوتے پایا نہ پھر بیاں اُس کا
ہے یہ سب کچھ اک اُس کا راز مگر — راز خود بھی ہے رازداں اُس کا
ذاتِ واحد ہے یہ چمن سارا — گل وہ، بلبل وہ، گلستاں اُس کا

خود شناسی جبھی ہوئی سالک
خود پہ ہونے لگا گماں اُس کا

خوشی کی تلاش

مہاتما جیمز ایلن

میں شاہ بلوط کے اونچے اونچے درختوں اور لہلہاتی ہوئی عشق پیچاں کے پاس سے گذرتا ہُوا خوشی کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ وہ بھاگ گئی۔ میں نے پہاڑوں اور گھاٹیوں سے ہوکر کھیتوں اور مرغزاروں میں سے گذر کر سرسبز وادی میں اُس کا تعاقب کیا۔ جھٹ پٹ تیز رو ندی کو عبور کر کے پہاڑ کی اونچی اونچی چوٹیوں پر جہاں عقاب رہتے ہیں۔ خوشی کی تلاس میں چڑھ گیا۔ ہر ایک قسم کی تری اور خشکی کو جلدی سے طے کیا۔ لیکن خوشی ہمیشہ مجھ سے بھاگتی ہی رہی ؛

تھک کر اور غشی کی حالت میں ہوکر میں نے تعاقب کرنا چھوڑ دیا۔ اور دریا کے ایک بنجر کنارے پر آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ ایک شخص آیا۔ اور اُس نے کھانا مانگا۔ اور دوسرے نے آکر بھیک یا خیرات مانگی۔ میں نے بھوکے کو روٹی اور منگتے کو کچھ پیسے دیئے۔ ایک شخص ہمدردی کے لئے آیا اور دوسرا آرام کے لئے۔ میں ہر ایک حاجتمند سے اپنے مقدور کے موافق پیش آیا۔ اور ہر طرح سے اُن کی تشفی کی۔ لو! اب کیا دیکھتا ہوں کہ عمدہ خوشی خداوند تعالےٰ جل شانہٗ کی صورت میں میرے پاس آکھڑی ہوئی۔ اور آہستہ سے کہنے لگی کہ میں تیری غلام ہوں"؛

اس اوپر کے خوشنما کلام سے جو دو پیرے گراف میں بیان کیا گیا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ لاانتہا اور وافر خوشی دراصل کیا شے ہے۔ شخصی اور عارضی خوشی کو قربان کرو۔ اور پھر تم فوراً غیر شخصی اور جاودانی خوشی حاصل کروگے اُس تنگ ظرف اور محدود خودی کو ترک کردو۔ جو تمام چیزوں کو اپنے ہی فائدے کے لئے چاہتی ہے اور پھر تم فرشتوں کی صحبت میں داخل ہوجاؤگے اور محبتِ عامہ کا خاص دل اور جوہر تمہیں نصیب ہوگا۔ دوسروں کے دکھ درد میں اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں اپنے آپ کو بالکل بھلادو اور پھر تمہیں کامل خوشی میسر آئیگی۔ اور تمام تکلیفات اور مصائب سے نجات ہوگی۔ ایک شخص کا قول ہے کہ میں نے تین قدم میں بہشت حاصل کی۔ پہلا قدم نیک خیال تھا۔ دوسرا نیک کلام۔ تیسرا نیک عمل۔ یہی طریق اختیار کرنے سے تم بھی بہشت میں داخل ہوسکتے ہو۔ یہ بہشت کہیں اور نہیں ہے۔ یہیں موجود ہے یہ صرف بے غرضانہ کام کرنے والے لوگوں کو میسر آسکتی ہے۔ اور جن کے دل صاف ہیں۔ وہی اس کو بخوبی

جان سکتے ہیں :-

اگر تم نے اس لاانتہا خوشی کو تفصیل نہیں کیا ہے۔ تو تم اسے اس طرح تحصیل کر سکتے ہو کہ ہمیشہ اپنے سامنے بے غرضانہ محبت کا اعلےٰ نمونہ پیش نظر رکھو اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو اس قسم کی بلند نظری یا دعالے اعلےٰ درجہ کی خواہش ہے۔ اس قسم کی خواہش ہی روح خداوند تعالےٰ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جہاں اس کو مستمرہ خوشی مل سکتی ہے۔ اس بلند نظری سے خواہش کی غارتگر قوتیں دائمی قوت الہٰی میں مبتدل ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کے اعلےٰ درجہ کو پہنچنے کی آرزو رکھنا گویا خواہش کے گورکھ دھندوں سے نکل جانا ہے :-

جس قدر تم کمینہ خودی کو چھوڑ دوگے۔ اور جس قدر تم ایک ایک کرکے اپنی تنگ ظرفی اور حرص کی زنجیروں کو توڑ ڈالوگے۔ اسی قدر تم دے ڈالنے کی خوشی کو سمجھوگے۔ اور خود ہی سب کچھ لے لینے اور بخیل ہونے کی مصیبت سے اسے تمیز کروگے۔ دے ڈالنے سے مراد یہ ہے۔ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے سے اور اپنی رائے صائب سے دوسروں کی مدد کرنا۔ دوسروں سے محبت کا اظہار کرنا۔ اور جو نیک باتیں تمہیں سوجھتی ہیں۔ ان سے اوروں کو بھی آگاہ کرنا۔ اس وقت یہ بات اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آجائیگی کہ لینے کی نسبت دینا زیادہ متبرک ہے۔ لیکن دینا دل سے ہونا چاہئے۔ اس میں خودی کا نام تک نہ ہو اور نہ عوض ملنے کی ذرا بھی خواہش ہو۔ جو شخص خالص محبت سے دیتے ہیں۔ ان کو ہمیشہ برکت نصیب ہوتی ہے اگر دینے کے بعد تمہیں یہ خیال ہُوا کہ لینے والے نے شکریہ تک ادا نہیں کیا۔ اور نہ اس نے تمہارے چاپلوسی کی۔ یا تمہارا نام اخبار میں چندہ دہندگان کی فہرست میں نہیں چھپا تو پھر یہ جان لو کہ تم نے صرف نام کے لئے یا لوگوں کو جتانے اور ظاہرا نیک نامی حاصل کرنے کے لئے دیا تھا۔ اور وہ اصلی محبت کی غرض سے نہیں دیا تھا۔ اور تم نے صرف اس غرض سے دیا تھا کہ تمہیں اس کے بدلے میں کچھ ملے۔ یہ دینا نہیں بلکہ لینا ہے :-

دوسروں کی بہبودی میں اپنے آپ کو بالکل بھلا دو۔ جو کچھ تم کرو اس میں خودی کو قطعی فراموش کردو۔ اسی سے وافر خوشی حاصل ہو سکتی ہے ہمیشہ خود غرضی سے بچتے رہو۔ اور نفس کشی کے سبق ایمانداری سے سیکھو۔ ایسا کرنے سے تم نہایت اعلےٰ درجہ کی خوشی کو پہنچ جاؤ گے اور عالم جاودانی کے روشن لباس میں ملبّس ہو کر ہمیشہ حظ عامہ کی روشنی میں زندگی بسر کروگے۔ جہاں بادل اور تاریکی کا نام تک نہیں۔

اقبالمندی یا عروج کی اصلیت کو سمجھنا اور اسے تحصیل کرنا

اصلی اقبالمندی یا عروج کو وہی دل سمجھتا ہے جو کامل راست بازی یقین۔ سخاوت اور محبت سے بھرا ہوا ہو۔ جس شخص کے دل میں یہ خوبیاں موجود نہیں ہیں۔ وہ عروج کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ عروج بھی خوشی کی طرح کوئی بیرونی ملکیت نہیں ہے بلکہ اندرونی دل سے سمجھنے اور تحصیل کرنے کی بات ہے۔

حریص اور طامع شخص کروڑپتی بھی کیوں نہ ہو جائے ہمیشہ بدبخت۔ ذلیل اور مفلس رہیگا۔ اور جبتک کہ دنیا میں اُس سے زیادہ دولتمند شخص موجود ہے۔ اُسے دیکھ کر اپنے آپ کو اس دنیا میں مفلس ہی سمجھیگا۔ برعکس اس کے ایک دیانت دار۔ کامل۔ راست باز۔ سخی اور شفیق شخص پورا پورا عروج اور اقبالمندی حاصل کریگا۔ گو اس کے پاس ظاہری دھن۔ دولت بہت ہی تھوڑی ہو۔ جو شخص اپنی موجودہ حالت پر مطمئن اور قانع نہیں ہے وہ مفلس ہے اور جو شخص اپنے تھوڑے سے مال و متاع پر قانع ہے۔ وہ درحقیقت دولتمند ہے۔ اور جو شخص باوجود تھوڑا دھن پاس ہونے کے سخی ہے۔ اور اسے اوروں کے لئے صرف کرتا ہے وہ اور بھی زیادہ دولتمند ہے۔

جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں۔ کہ دنیا میں تمام عمدہ چیزیں مادی اور روحانی قسم سے بھری ہوئی ہیں۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ انسان طمع سے اندھا ہو کر صرف چند زر کے سکے یا چند ایکڑ زمین ہی لینا چاہتا ہے۔ اُس وقت ہم بخوبی سمجھ جاتے ہیں۔ کہ خودغرضی تاریکی اور جہالت کی نشانی ہے اور اُس وقت ہم یہ بھی جان لیتے ہیں۔ کہ خودپرستی یا نفس پروری ہماری اپنی ہی ہلاکت کا باعث ہے۔

دیکھو! قدرت کیسے کھلے ہاتھوں سے سب کچھ دے ڈالتی ہے اور پھر بھی سب کچھ اُس کے پاس رہتا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں آتی۔ انسان جو بڑا حریص ہے اور سب کچھ خود لینا چاہتا ہے۔ آخر میں ہر ایک شئے کھو بیٹھتا ہے ؛۔

اگر تم اصلی بہبودی یا عروج حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو بہت سے شخصوں کی طرح یہ یقین نہ کر بیٹھو کہ ہم حق کریں گے تو ناحق ہوگا۔ اور اگر ہم نیکی کریں گے تو بدی ملے گی۔ امتحانوں اور خرید فروخت کے معاملہ میں مقابلے کے اصول پر نہ چلو۔ کیونکہ یہ راستی اور راستبازی کے اصول کے خلاف ہے میں اس کی کچھ پروا نہیں کرتا کہ لوگ مقابلہ کے اصول کی نسبت کیا کہتے ہیں اور کیا رائے رکھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو اُس اٹل قانون کو بخوبی جانتا ہوں۔ جس کے مقابلہ میں اور سب قوانین یا اصول ایک دن رد ہو جائیں گے۔ اور نیک آدمی کے صادق دل اور طریق زندگی کی رُو سے تو وہ سب قوانین اب بھی باطل اور متروک ہیں۔ اور اس قانون یا اصول کو بخوبی سمجھ کر میں اطمینان خاطر سے ہر قسم کی بے ایمانی اور بددیانتی پہ غور کر سکتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں وہ ایک نہ ایک دن ضرور غارت ہوگی ؛

ہر حالت میں وہ کام کرو۔ جس کو تم صحیح اور نیک سمجھتے ہو اور اُس اٹل قانون پر بھروسہ رکھو۔ اُس طاقت الٰہی پر ایمان لاؤ۔ جو اس دنیا میں موجود ہے۔ یہ طاقت تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جائیگی۔

ہردم تمہارے ساتھ رہیگی۔ اور ہمیشہ تمہاری حفاظت کریگی۔ اس طرح کامل یقین کرنے سے تمہارا نقصان نفع میں تبدیل ہوگا۔ اور جن مکروہات کا تمہیں اندیشہ ہے وہ سب تمہارے لیئے برکت اور نعمت کی صورت اختیار کریں گی۔ راست بازی با دیانت داری سخاوت اور محبت کو ہرگز ہاتھ سے نہ چھوڑو کیونکہ یہی نیکیاں ہمت اور قوت کے ساتھ مل کر تمہیں اصلی حالت عروج پر پہنچا دینگی۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ تم ہمیشہ اول اپنا خیال رکھو اور بعد میں دوسروں کا۔ اس پر یقین نہ کرو۔ اس قول پر چلنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ تم اوروں کا کچھ خیال نہ کرو۔ بلکہ صرف اپنے ہی آرام و آسائش کا خیال رکھو جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اُن کے لئے ایک دن ایسا آئیگا۔ کہ سب لوگ اُن کو چھوڑ دیں گے اور جب وہ تنہائی اور رنج میں پڑے ہوئے چلائینگے۔ تو کوئی بھی اُن کی نہ سُنیگا۔ اور نہ اُنہیں مدد دیگا اوروں کو چھوڑ کر صرف اپنا خیال رکھنا گویا ہر ایک عمدہ اور اعلےٰ تحریک کو روکنا اور تعصب سے کام لینا ہے۔ اپنی روح کو وسیع کرو اور اپنے دل کو اوروں کے ساتھ پُر جوش محبت اور سخاوت ظاہر کرنے کے لیے بڑھاؤ۔ اس سے تمہیں اعلےٰ اور پائدار خوشی حاصل ہوگی۔ اور تمام قسم کی بہبودی اور عروج تمہیں نصیب ہوگا۔

جن لوگوں نے نیکی اور راست بازی کا راستہ چھوڑ دیا ہے اُنہیں اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جو ہمیشہ نیکی پر چلتے ہیں۔ اُنہیں اس قسم کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ نری بے معنی بات نہیں ہے آج کل بھی ایسے شخص موجود ہیں۔ جنہوں نے راست بازی اور یقین کی طاقت کے ذریعہ کسی قسم کی ہمسری یا مقابلہ کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور باوجود مقابلہ کیے جانے کے وہ ذرا بھی اپنے طریقوں سے نہ ہٹے اور کامل طور سے عروج پر پہنچ گئے۔ برعکس اس کے جنہوں نے ان کو نقصان پہنچانا چاہا تھا وہی خود شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اور پستی کی حالت میں آگئے

جن اندرونی خوبیوں کو نیکی کہتے ہیں۔ اُن کے ہونے سے انسان بدی کی تمام طاقتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور آزمائش کے وقت میں اور بھی زیادہ ثابت قدم رہتا ہے اور ان خوبیوں کو اپنے میں قائم کرنا گویا ایک لازوال کامیابی حاصل کرنا ہے اور ہمیشہ رہنے والی منزل عروج اور بہبودی پر پہنچ جاتا ہے۔

رسالہ ادم دہلی کے اگلے سال جنوری ۱۹۷۸ء

کا سالنامہ "شانتی انک" کے نام سے منسوب ہوگا

ایڈیٹر

(از قلم پنڈت نریندر ناتھ شرما نریندر ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس)

ہجور کی ہولی

غمِ فرقت میں عاشق کی بغیرِ وصل کیا ہولی

بہت مشقِ ستم مجھ پہ تیری آفت ادا ہو لی ۔ رحم کر بخش دے ۔ باد ہو ۔ سزا کی انتہا ہولی
غمِ ہجر سے ہوں مجبور ۔ تیرے در پہ آیا ہوں ۔ خلوصِ دل سے تائب ہوں جو ہولی سو خطا ہولی
نہیں تاب و تواں جانِ حزیں میں آزمائش کی ۔ رہے یوں امتحاں جاری تو پھر مجھ سے وفا ہولی
بنا کر پیکرِ افواد ۔ آ پیشِ نظر میرے ۔ جہانِ دل کی تیرے سلگنے میں یُوں جلا ہولی
دکھا جلوہ نہاں ہے جو پسِ پردہ نمائش کے ۔ اٹھا چلمن ستم انگیز ئے دستِ حنا ہولی
نمایاں جلوہ بے رنگ ہو کر رنگ و صورت میں ۔ کمالِ ارتقا یوں یار یا ہو کر فنا ہولی
زراہِ لطف بندے پہ کشا رازِ حقائق ۔ سعی و جستجو میری تمام اے کبریا ہولی
مجھے مطلوب عریانی ۔ تجھے مرغوب مستوری ۔ رضا بندے کی بھی ہو جائے اب تیری رضا ہولی
دلِ ناداں گیا آلودہ دامن تو نے عصیاں سے ۔ خدارا چھوڑ اب پیلے بہت اپنے پہ ریا ہولی
وبالِ یار گر چاہے ۔ تو سالکِ ترکِ دنیا کر ۔ تمنائے جہاں سے گر وہاں تیری رسا ہولی
بس اپنی راہ لو یارو ۔ نہ چھیڑو تم نریندر کو ۔ غمِ فرقت میں عاشق کی بغیرِ وصل کیا ہولی

نوٹ: گزشتہ ہولی پر کچھ احباب نے عیش و طرب کی ہولی پر لکھنے کے لئے شدت سے اصرار کیا۔ میں نے انکار کیا۔ اصرار جاری رہا۔ میں مجبور ہو کر لکھنے لگا۔ بھلا عاشق کو عیش و طرب سے کیا واسطہ۔ ہجور کی ہولی لکھ گیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ احباب کو مشکور نہ کر سکا۔ عاشقوں کو شاید حسبِ بالا ہولی پسند آئے ۔ نریندر

زرعی پیداوار کا نیا ریکارڈ

- بھارت غذائی پیداوار کے لحاظ سے خود کفیل ہو گیا ہے جون 1976ء سے اناج بالکل درآمد نہیں کیا گیا۔
- اناج کی ۱۱ کروڑ 8 لاکھ ٹن پیداوار کا نیا ریکارڈ قائم ہوا ہے
- ملک میں اسوقت ایک کروڑ 8 لاکھ ٹن اناج اسٹاک میں ہے پہلے اتنا اسٹاک کبھی نہیں ہوا!
- 77-1976ء میں خام پٹ سن اور میستا کی پیداوار 65 لاکھ گانٹھوں کی پیداوار کے نشانے سے زیادہ ہونے کی توقع ہے پچھلے سال ان کی پیداوار 58 لاکھ 30 ہزار گانٹھیں ہوئی تھیں۔

بھرپور فصل، اناج کی اطمینان بخش وصولی اور کافی مقدار میں اناج کے اسٹاک کی بدولت ہماری معیشت میں مزید بھاری توسیع کے روشن امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

بقا — شخصی یا غیر شخصی؟

از پروفیسر نرمل چندر رچی

ہر ایک جاندار کو قدرتاً اپنی جان پیاری ہے۔ خود حفاظتی (قائم رکھنا) کی خواہش خود زندگی کی خواہش ہے جب جسم و جان خطرے میں ہوں۔ وجود کی تمام طاقتیں ہماری دانست یا نادانست میں فوراً حفاظت اور مقابلے کے لئے متحرک ہو جاتی ہیں۔ اگر زندگی اپنے اندر یہ قدرتی تحریک نہ رکھتی۔ تو لگاتار بدلتے ہوئے حالات اور بیرونی حملوں میں نشو و نما پانا تو کجا۔ خود قائم ہی نہ رہ سکتی۔

مگر دوسرے جانداروں اور انسان میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے ہی اپنی موت کو خیال میں لا سکتا ہے اور اس کا اٹل ہونا یقین کرنے کے قابل ہوتا ہے دوسرے جاندار اپنی آئندہ ممکن موت کا کوئی خیال اور یقین نہیں رکھ سکتے۔ ہاں جب موت سر پر آئے۔ تو اس وقت اپنے بچاؤ کے لئے باخبری یا بے خبری میں اپنا سارا زور لگایا کرتے ہیں۔ مگر انسان بالکل تندرست اور محفوظ ہو کر بھی اپنے مرنے کے متعلق سوچا کرتا ہے اور موت کو اٹل دیکھ کر ڈرتا اور گھبراتا ہے اس پیش بینی کا راز اس کی عقل میں پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد دوسرے لوگوں کو یکے بعد دیگر مرتا دیکھ کر۔ اور پہلے لوگوں کی تاریخ پڑھ کر عقلاً یہ نتیجہ نکالنے کے لئے مجبور ہے۔ کہ بالآخر اسے بھی لازمی طور پر مرنا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ حال کی زندگی میں آنے والی اٹل موت کا خوف صرف انسان کے حصے میں آیا ہے۔ اور اس کے اندر ایک طرح کا تخالف CONFLICT پیدا ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو وہ عقلاً اپنی آئندہ نہ رکنے والی موت کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف زندگی کی طبعی تحریک خود حفاظتی چاہتی ہے ایک پہلو سے آواز اٹھتی ہے کہ ناچار مرنا ہی ہوگا۔ دوسرے پہلو پر یہ آواز سنی جاتی ہے کہ مجھے مرنا نہیں چاہیئے" ایک ہی وجود کے اندر سے یہ دو مخالفانہ آوازیں زندگی کی کلیت اور ہم آہنگی کو برباد کر کے اسے ایک ناموافق شور میں بدل دیتی ہے۔

یہ اندرونی تخالف ہی انسانی زندگی کا ابدی سوال ہے اسی گورکھ جھگڑے کو مٹانے کے واسطے ہی کئی طرح کے مذاہب نے جنم لیا ہے۔ آنے والی اور ہر آن ممکن اور انجام کار اٹل موت کا خوف زندگی کو

بے مزہ کر دیتا ہے۔ اور نیز ہستی کا انجام نیستی دیکھ کر جینا بے معنی معلوم ہوتا ہے جو چیز کچھ وقت کے بعد نیست ہو سکتی ہے۔ وہ درحقیقت اب بھی ہستی نہیں رکھتی۔ اور ایک نمود بے مود کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جینے اور خوشی اور دلچسپی کے ساتھ جینے کے لئے ضروری ہے کہ زندگی حقیقی اور با معنی ...... محسوس ہو صرف ایک بے معنی عارضی سایہ معلوم نہ ہو۔ اسی لئے زندگی کی خاطر انسان کو ایک عقیدہ چاہیئے۔ جو اسے خوف فنا سے محفوظ رکھے اور اسے جسمانی موت کے بعد زندگی کے جاری رہنے بلکہ لگاتار بہتر اور اعلیٰ تر ہو سکنے کا یقین دلائے۔

جتنے بھی مذاہب پیدا ہوئے۔ ان کا اصلی مقصد زندگی کی کسی نہ کسی عظیم ضرورت کو پورا کرنا ہے جب تک ہمیں زندگی کا راز راست یقینی اور صحیح علم حاصل نہ ہو۔ زندگی میں سرگرمی۔ دلچسپی اور لذت پیدا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی سچا یا وہمی عقیدہ ضروری ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ لوگ مذاہب کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ مذہب زندگی کو سہارا دیتا ہوا اسے قابل برداشت ہی نہیں۔ بلکہ پر امید اور با معنی بناتا ہے۔ اس لئے مذہب زندگی کی ضرورت ہے محض تخیل کی بے سود ایجاد نہیں ہے

موجودہ سائنٹفک تعلیم عامہ سے پہلے لوگ اپنے اپنے مذہبی عقائد پر ایمان لانے کے عادی چلے آئے تھے۔ کئی عقائد کو صرف اس لئے مان لیا جاتا تھا۔ کہ ان کا ماننا ہمیں مطلوب اور مرغوب تھا۔ اس بارہ میں دل کی شہادت یا زندگی کی اندرونی آواز ہی کافی سمجھی جاتی تھی۔ مگر اب نئی تعلیم نے پرانے اور مروجہ عقائد کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ اب تو ہر ایک عقیدہ گویا ابلتی دیگ میں ہے۔ یہاں تک کہ انسان کا سب سے بڑھ کر قدیم۔ شاندار اور ابھارنے والا عقیدہ جو وہ خدا کے متعلق رکھتا آیا ہے۔ اب علمی دنیا میں زیر امتحان ہے۔ آج ہم اپنی نئی ذہنی عادات کے باعث کسی بھی بیان یا اعلان کو بغیر کافی اور خارجی شہادت کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

نیز بائیولوجی (علم الحیات) کی جدید اور ترقی پذیر معلومات نے شخصی بقا کے متعلق انسان کے دل میں کئی طرح کے شکوک پیدا کر دیئے ہیں پہلے عام طور پر مانا جاتا تھا۔ کہ ہر ایک فرد بشر میں جداگانہ شخصی روح (جیو) موجود ہے۔ جیو کی بدولت ہی جسم میں حرکت و زندگی اور ہوش ہے جیو ہی کل اعضا کو زندگی دیتا ہے اور جب روح بدن سے نکل جاتی ہے تب جسم بے حرکت۔ بے ہوش اور ناکارہ ہوتا ہے جب تک باجہ بجانے والا موجود ہے باجے سے طرح طرح کی سریں اور راگ نکل رہے ہیں۔ جب بجانے والا اٹھ گیا۔ باجہ بے صدا اور خاموش رہ جاتا ہے ؎

کبیر جو ہم جنت بجاوتے ٹوٹ گئی سب تار
جنت بچارا کیا کرے چلے بجاون ہار

اے کبیر۔ ہم جس ساز کو بجایا کرتے تھے۔ اس کی سب تاریں ٹوٹ گئی ہیں۔ اب ساز بچارا کیا کر سکتا ہے۔ جب کہ بجانے والا (ساز کو چھوڑ کر) چل دیا ہے۔"

اب علمی تجربات نے ثابت کر دیا۔ کہ جب انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کے جسم کے سیلز بعد میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ اس کے اعضائے رئیسہ دل وغیرہ جسم سے الگ عرصہ تک زندہ رکھے جا سکتے ہیں۔ اور دل اپنا کام اسی طرح کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ وہ جسم کے اندر کرتا تھا۔ نیز نفسیات PSYCHOLOGY کے جدید مشاہدات اور تجربات یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ ایک فرد کے اندر ہی ایک سے زیادہ شخصیتیں PERSONALITIES بیک وقت یا مختلف اوقات پر رہ سکتی ہیں۔ انسان اپنے اندر ہی ایک طرف حیوان دوسری طرف فرشتہ، ایک پہلو پر پاپی اور اُسی وقت دوسرے پہلو پر سنت۔ ایک جانب مادہ اور دوسری جانب سپرٹ کے میلانات رکھتا ہے۔ اور نہ صرف اُس کے خیالات اور جذبات بدلتے رہتے ہیں۔ بلکہ اُس کی شخصیت بھی بالکل اور کئی بار بدل سکتی ہے۔ اور یہ بدلتی ہوئی شخصیت کے درمیان کوئی ربط یا ہنسا بہت ظاہر نہیں کرتیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا ہے۔ کہ جسم کا ہر ایک سیل (CELL) اپنی جُداگانہ فردیت رکھتا ہے اور جسم کیا ہے۔ بے شمار جانداروں کی مشترکہ بستی ہے۔ جیسے زمین پر انسانی افراد۔ قومیں اور نوعِ انسان وجود رکھتے ہیں اسی طرح جسم میں اعضا کی صورت میں سیلز (CELLS) کی بستیاں موجود ہیں۔ اور ان بستیوں کے اتحاد اور تعاون سے جسم واحد بنتا ہے۔ اور جس طرح نوعِ انسان کا مجموعی جسم مکان میں کئی قوموں اور زمان میں لگاتار نسلوں کی شکل میں زمین پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح سیلز بھی جسم کی صورت میں جمع ہو کر نئے سے نیا جسم پیدا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ہر ایک سیل اُسی طرح ہی حفاظت چاہتا ہے جس طرح کہ ہر ایک جاندار۔ اب فرض کرو۔ کہ ایک سیل عقل اور تخیل رکھتا ہوا اپنی آنے والی اٹل موت کو پہلے سے ہی دیکھنے کے قابل ہو جائے۔ تو اس کے اندر بھی وہی تخالف پیدا ہو جائے گا جو کہ ہر ایک سوچنے والے بشر کے اندر دیکھا جاتا ہے اور اُسے بھی اپنی انفرادی بقا کے عقیدہ کی ضرورت ہو گی۔ ورنہ اس کی موجودہ زندگی دو بھر۔ بے مزہ اور لامعنی ہو جائے گی۔

لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ سیل کی زندگی بے معنی نہیں ہیں۔ مگر اس کے معنی اس کی جُداگانہ ہستی میں نہیں۔ بلکہ اُس جسم کی مکانی و زمانی کلیت اور وحدت میں ہیں۔ جس کا وہ ایک ضروری مگر [illegible] اپنے جسم کی زندگی میں اور اُس کے لئے معنی رکھتا ہے۔ اپنے لئے جداگانہ طور پر نہیں۔ اُس کی [illegible] اپنی فردیت میں نہیں۔ بلکہ اپنے جسم (کل) کے لئے اپنی شخصیت کو وقف کر دینے میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کی بقا اس کی فنا میں ہے۔ وہ اپنی جُدائی میں فانی ہے مگر [illegible]

کلیت میں باقی (امر) ہے۔ زندگی ہے اور مکانی وزمانی حدود سے بالاتر ہے اس کے لئے ایک خوردبینی سیل اور وہیل مچھلی کا جسم یکساں ہے۔ وہ ایک نہایت ہی چھوٹے جسم کے اندر سکڑنے اور کل نوع انسان کے مجموعی وجود کے اندر پھیلنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ زمانے میں اس کے لئے نہ پیدائش ہے نہ فنا کیونکہ وہ پیدائش وفنا کے اندر برابر موجود رہتی ہے بے انتہا اختلاف کے درمیان وہ سدا ایک ہے اور لگاتار تبدیلیوں کے درمیان وہ ہمیشہ جیوں کی تیوں ہے وہی ہر جگہ اصول وحدت ہے سیل کے ذرات میں وہی اتحاد پیدا کرتی ہے سیلز کو وہی اعضا کی شکل میں ملاتی ہے۔ اور اعضا کو وہی جسم واحد کی صورت میں لاتی ہے مگر اس کی وحدت اجسام وافراد تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ کل جانداروں اور نسلوں پر حاوی ہے وہی کل میں ایک ہے اسی میں سب کا اتحاد۔ رشتہ اور تعاون ہے اور اسی میں سب کی بقا ہے اس سے الگ بذات خود کوئی بھی شئے یا جاندار باقی (امر) نہیں ہے۔

تمام جاندار پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ مگر زندگی جو سیلز۔ اعضا جسم۔ جنس کے پھیلتے ہوئے دائروں میں نمودار ہوتی ہے۔ سدا ایک۔ بذات خود قائم۔ لاتغیر۔ ابدی اور غیر فانی ہے زندگی کسی خاص سیل عضو جسم شخصیت یا نوع کا نام نہیں ہے وہ ان صورتوں میں ظہور دکھاتی ہے خود سدا ایک اور وہی کی وہی ہے اسی کو آتما کہا گیا ہے جب یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آتما اجر اور امر ہے۔ تو آتما سے مراد کوئی خاص جیو نہیں ہوتا۔ جیو تو آتما نہیں۔ بلکہ اس کی ایک محدود اور عارضی صورت ہے زندگی سمندر ہے۔ تو جیو لہریں ہیں۔ آتما برکس ہے تو جیو پتوں کی مانند لگتے اور جھڑتے رہتے ہیں۔ اور آتما سورج ہے تو بے شمار جیو اس کی کرنیں ہیں۔

آتما ایک۔ اج۔ امر۔ دلبش کال سے اتیت ہے مگر جیو اپنے آتما میں جو سرب کا آتما ہے۔ اپنا امرتو (بقا) نہ دیکھتا ہوا۔ اپنی آنے والی جسمانی موت سے ڈرتا اور اپنی شخصی بقا کا عقیدہ چاہتا ہے۔ کیونکہ جب تک اسے آتم گیان نہ ہو۔ وہ اس وہمی عقیدے کے بغیر مشکل سے ہی زندگی کا بوجھ سہار سکتا ہے ہاں جب اسے یقین دلایا جاتا ہے۔ کہ جسمانی موت کے بعد تیری شخصیت تو کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ موجود رہے گی۔ اور تیرے کئے ہوئے کام تجھے ضرور ہی جیتے جی یا مرنے کے بعد اپنا پھل دیں گے۔ تب وہ سرگرمی کے ساتھ جینے اور کام کرنے لگتا ہے۔ اور اپنی شخصی بقا کا عقیدہ رکھتا ہوا اپنے لئے نیکیوں کی دولت جمع کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ بدیوں سے باز رہتا ہے۔ اور اگر دنیا میں کافی عزت اور بلندی حاصل نہیں کرسکا۔ تو مرنے کے بعد درگاہ ایزدی میں امتیاز پانے کی امید رکھتا ہے اور اپنی موجودہ قید و افلاس کی کمی کو بعد از مرگ پورا کرنے کی توقع رکھتا ہے۔

اگرچہ شخصی بقا۔ وقتی سزا و جزا کمال وجہات کے لیا د بے شک زندگی میں سرگرمی اور اتساہ پیدا کرتے ہیں

اور کم از کم زندگی کو قابلِ برداشت اور پُر اُمید بنا سکتے ہیں۔ مگر صاف طور پر ان کے اندر خودی اور خود غرضی کے بیج موجود رہتے ہیں۔ یہ عقائد زندگی کو کل کی بجائے جزو میں دکھاتے ہیں۔ اور جیووں کے درمیان اتحاد اور تعاون پیدا کرنے کی بجائے ان کے درمیان ایک گونہ بے تعلقی بلکہ باہمی مقابلے کے تعلقات پیدا کر کے انسان کی زمینی زندگی کو تلخ بناتے ہیں۔ انہی عقائد کے زیر اثر کہا جاتا ہے کہ ایک کنبے کے ممبروں کے درمیان بھی کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے وہ صرف اتفاقیہ اور عارضی طور پر یکجا ہوئے ہیں۔ پیدائش سے پیشتر کوئی رشتہ نہ تھا۔ مرنے کے بعد کوئی نہ رہے گا۔ جیو اکیلا آیا ہے اور اکیلا چلا جائے گا۔ اس لیے ہر شخص اپنے لیے جداگانہ دولت۔ طاقت اور عزت تلاش کرتا ہے اور مرنے کے بعد بھی شخصی اطمینان۔ راحت۔ سرور۔ اور امتیاز حاصل کرنا چاہتا ہے ایسے عقائد کا ہی اثر ہے۔ کہ دنیا میں لوگ ایک دوسرے کو غیریت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ باہمی حسد و جہد و مقابلے کی حیوانی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور زندگی کے حقیقی سرور سے محروم رہنے کے باعث خود زندگی سے ہی بیزار دیکھے جاتے ہیں شخصی بقا میں اعتقاد رکھنے والا شخص کثیف یا لطیف صورت میں اپنے اندر خودی کا بیج رکھتا ہے اس کا مذہب دراصل ایک طرح کی تجارت ہے۔ وہ نیکی اور روحانیت کے نام پر بھی اپنی شخصی طاقت۔ دولت۔ شان برتری فلاح اور نجات چاہتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ ایسا ہی خود غرض ہے۔ جیسا کہ کوئی دنیا پرست انسان

شخصی بقا کا عقیدہ اگرچہ جہالت کے اندھیرے میں لوگوں کو بہت ڈھارس۔ اُبھار اور آشا دیتا چلا آیا ہے مگر یہی عقیدہ ہی موجودہ دنیا کی واقعی بہتری میں بہت بڑی روکاوٹ رہا ہے سورگ پرم دھام۔ دیال دھام کے خیالی نقشہ جات انسان کو موجودہ زندگی سے برطرف کرنے والے سبز باغات ہیں۔ جو حواس اور ذہن کو معطل کرتے ہی صاف صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ اور بیداری کی دنیا سے بھی بڑھ کر واقعی محسوس کرتے ہیں۔

لیکن اس عقیدے کی بجائے اگر دنیا میں یہ روشنی پھیل جائے۔ کہ جیسے زندہ جسم کے سیل اور اعضا میں زندگی واحد موجود ہے اسی طرح کل انسانوں اور قوموں کے اندر بھی ایک ہی زندگی موجود ہے۔ اور جو ایک اور کل ہے وُہی غیر فانی اور باقی ہے۔ انسان کی ظہوری روح (جیو) عارضی ہے۔ مگر اس کی حقیقی روح (آتما) جو کل انسانوں۔ قوموں بلکہ تمام موجودات میں ایک ہے۔ ابدی ہے ہر ایک شخصیت اُسی ابدی روح کا سدا بدلنے والا عارضی اوزار ہے زندگی کا اصلی مقصد ہے اُس رُوح کل کے لیے جینا یعنی چھوٹی "میں" کی طرف سے فانی ہو کر سچی "میں" باقی ہو جانا۔ جو لوگ آتما (کل کی بہتری) کے لیے جیتے ہیں۔ ان کی جزوی زندگی کلیت میں جذب ہو کر سدا برقرار رہتی ہے۔ قطرہ سمندر میں شامل ہو کر کیا مٹ جاتا ہے؟ کبھی نہیں ہاں وہ اپنی علیحدگی کا پندار کھو بیٹھتا ہے اگر درخت کا پتہ سوکھ کر جھڑ جائے تو

اس کی زندگی درخت میں سدا موجود اور محفوظ رہتی ہے۔ اسی طرح صرف وہی شخص بیج تک پہنچتا ہے جو صرف اپنی جداگانہ ترقی اور بہتری کے لئے جیتا ہے۔ اور دراصل وہ جیتے جی ہی مردہ ہے۔ یہ سچی زندگی خود ایثاری (SELF SACRIFICE) نہیں۔ بلکہ خودی سے اوپر اٹھنا (SELF TRANSCENDANCE) ہے یہ دراصل کھونا نہیں بلکہ پانا ہے۔ خودی اس میں ذات کے سوا کچھ نہیں دیکھتی۔ یہ گیان اور پریم کا جیون ہے۔ اس کا قانون باہمی مجادلہ نہیں۔ بلکہ تعاون ہے۔ اس کی نجات مستقبل میں نہیں بلکہ موجودہ کلیت میں ہے۔ اس میں کہیں آنا جانا نہیں بلکہ ہونا ہے۔ اس کا زمانہ اب ہے اور اس کا وطن یہاں۔ بقا آئندہ کی شے نہیں۔ بلکہ حال میں صحیح زندگی ہے۔

علم حیات کا ماہر پروفیسر ہالڈین اپنی علمی زبان میں اس زندگی کی یوں تعریف کرتا ہے۔

COOPERATION IN A REAL AND INTELLIGIBLE SUPER INDIVIDUAL REALITY.

ایک حقیقی قابل فہم شخصیت سے برتر حقیقت کے اندر باہمی تعاون

اس غیر شخصی زندگی میں مذہب اور سائنس ایک ہو جاتے ہیں اور شخصیت کلیت کا آلۂ مطیع بن جاتی ہے۔ اسی کا ہی نام ہے بقا، نجات اور کمال ::

نغمۂ زندگی

از شری موہن مورتی جی موہن

نوٹ:- آج سے کچھ برس پہلے مسٹر کرشنا مورتی نے انگریزی زبان میں نہایت دلآویز پُرگداز اور عرفانِ زندگی کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی کچھ نظمیں لکھی تھیں موصوف کی انہیں مخصوص نظموں میں سے ایک نظم بعنوان "نغمۂ زندگی" ہے جس کا اردو ترجمہ پیش ناظرین ہے چونکہ کرشنا مورتی زندگی کے لفظ کو سچائی اور حقیقت واہدیت کے معنی دیتے ہیں۔ اِس لئے اِس کے اس اصطلاحی لفظ (زندگی) سے ہمیں بھی یہی معنی لینے چاہئیں :۔ موہن

ہمنشیں رک جا ذرا تا کہ کروں تجھ سے بیاں
زندگی کچھ فلسفہ رکھتی نہیں اے ہم نشیں
زندگی کا کوئی بھی مذہب نہیں اے ہم نشیں
زندگی آزاد ہے اس کا نہیں کوئی خدا
زندگی بے خانماں ہے اسکا کوئی گھر نہیں
زندگی رکھتی نہیں کچھ درد و لذت ہمنشیں
زندگی نیکی بدی سے ہے تغافل آشنا
زندگی میں جبر و جیتن کا نہیں ہے امتیاز
زندگی ڈھارس نہیں دیتی کوئی اے ہمنشیں
زندگی کے واسطے معدوم ہیں مرگ و فنا

زندگی کی بو ہے در پردہ کا اک رازِ نہاں
اور نہ ترتیبِ تخیل کا ہے وہ خلل سمیں کہیں
اور نہ یہ سجدے ادا کرتی ہے معبد میں کہیں
اور نہیں رکھتی یہ خود پہ بارِ رازِ خوف زا
اس لئے اس کو زوالِ آخری کا ڈر نہیں
اور تجسس کن محبت کا بگاڑ اس میں نہیں
اور نہیں اس کے لئے بالوں کی پُر حسرت سزا
کار و بیکاری کی تفریق سے بھی ہے بے نیاز
اور نہیں گورِ فراموشی کی یہ ہرگز مکیں
یہ نہیں رکھتی زماں میں سایۂ غم کا خلا

زندگی ابدی حقیقت ہے سدا آباد ہے
اس میں جو جیتا ہے انساں مگت اور آزاد ہے

دلی، ماضی اور حال کے آئینہ میں

سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء

	سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء	موجودہ
دلی کی آمدنی	521 کروڑ روپے	961 کروڑ روپے 1976-77
• منصوبہ جاتی مصارف	93 کروڑ روپے (تیسرا منصوبہ)	350 کروڑ روپے (پانچواں منصوبہ)
• صنعتی پیداوار	300 کروڑ روپے	430 کروڑ روپے
• صنعتی یونٹوں کی تعداد	30000	38,000 تقریباً
• زرعی پیداوار	119.61 ہزار ٹن	123.73 ہزار ٹن
• اسپتالوں میں بستروں کی تعداد	9800	12.000
• ڈسپنسریوں کی تعداد	248	321 (دیہی اور پسماندہ علاقوں میں 61)
• تعمیراتِ مکانات کے مصارف	14.94 کروڑ روپے	30.94 کروڑ روپے
• تعلیم اور صحت پر	23.77 کروڑ روپے	46.28 کروڑ روپے
• بجلی کی فراہمی	13,89,194 کلوواٹ	17,80,123 کلوواٹ
• صاف پانی کی فراہمی	114 ایم جی ڈی	253 ایم جی ڈی

ترقی کے کچھ نمایاں حقائق

- تعلیم یافتہ بے روزگار اپنے کارخانوں کے مالک بنیں۔
- ہریجنوں اور کمزور طبقوں کو اولیت۔
- عورتوں کو عزت اور برابری کا درجہ۔ وہ بڑھتی ہوئی قیمتوں، سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد اور کمزور طبقوں کے بہبود کے کاموں میں سرکار کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کام کر رہی ہیں۔
- کھیتوں اور کارخانوں کی پیداوار میں بھاری اضافہ۔ بیوپار اور کاروبار میں اضافہ۔
- دفتروں اور اداروں میں نظم و ضبط اور کارکردگی بڑھی۔ اسکولوں میں بغیر کسی رکاوٹ کے تعلیم کا سلسلہ جاری۔
- جرائم میں کمی۔
- اشیائے ضروریات زندگی کی بھرپور دستیابی۔
- پینے کے پانی اور بجلی کی حسب ضرورت فراہمی صحت کا بندوبست۔ شہری سہولتوں میں بھرپور توسیع۔
- آج دلی پہلے کے مقابلے میں زیادہ صاف ستھری، ہری بھری، دلکش اور خوبصورت بن گئی ہے۔

جاری کردہ: محکمۂ اطلاعات و اشاعت، دلی انتظامیہ، دہلی

F. 5/3/77/2/4925

جیون مُکت گورو تیغ بہادر جی

—— سنت نارائن سنگھ جی ——

ہم سری گورو نانک دیوجی کے کلام میں سنتے ہیں۔

بانی برہم ساتھ بھیو میلا — بھنگ دُوبِت ہوں سدا اکیلا
مان ایمان دُوُدھ جرے گیے — جو دُو تھے سوئی پُن بھیے

جب توحید کے نغمہ کی آواز کان میں پڑی تو دُوئی کے پردے ٹوٹ پڑے۔ ایک ہی ایک نظر آیا۔ وہاں بڑائی چھُٹائی کی سامگری جل کر راکھ ہوگئی اور وہی کچھ رہ گیا جو پہلے سے تھا۔ پھر سُنتے ہیں "یہ جگت ہر کا روپ، ہر رُوپ نظری آیا" واقعی یہ جگت ہری کا جسم ہے۔ اور ایسا ہی (پُورن گورُو کے پرساد سے) ہمیں دِکھلائی دیتا ہے۔

جو مہانو بھاؤ جگت کو برہم روپ جان کر بیوہار کرتے ہیں۔ اور سرب بھوت پرانیوں کو اپنے انگ جان کر ان سے پریتی پوربک برتاؤ کرتے ہیں وہ ہی جیون مکت کہلاتے ہیں۔ جیون مُکت پرش کے لکشن ذہن نشین کرانے کی خاطر ہم شری گورُ تیغ بہادر جی کے جیون سے چند ایک واقعات مختصر طور پر ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں

۱۔ جوت وِکاس

خالصہ پنتھ کے چھٹویں گورو شری ہر گوبند صاحب جی کے گھر ماتا نانکی جی کے شکم سے ان کا جنم ۱۶۲۱ء میں امرت سر میں اتوار کے دِن آدھی رات کے وقت ہُوا۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کا عقد ماتا گوجری سے ہُوا۔ لیکن بہت طویل عرصہ تک اِن کے گھر اولاد پیدا نہ ہوئی۔ بچپن سے ہی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ پتا کے حضور میں چپ چاپ بیٹھے رہتے نہایت باادب اور سنجیدہ مزاج تھے۔ ہر وقت دھیان انتر مکھ رہتا تھا۔ کسی سے میل جول کم رکھتے۔ گھر کے رشتہ داروں سے بھی ضرورت سے زیادہ کلام نہیں کرتے تھے۔

۲۔ ہر بان پرا پتی

شری گورو ہر گوبند جی نے ۱۶۴۴ء میں پرلوک گمن کی تیاری کا اعلان کیا۔ اور بھرے دربار سنگت میں باآواز بلند فرمایا کہ ہم دریائے ستلج کے کنارہ پر بیٹھ کر مہا سمادھی میں بیٹھیں گے اور ایک ہفتہ کے بعد برہم ہر بان کو پراپت ہو جاویں گے۔ اِس وقت تمام سیوک اور سمبندھی آخری درشن کو جمع ہوئے

رہے تھے۔ تو ماتا نانکی جی اپنے صاحبزادے (سری تیغ بہادر جی) کو لے کر مہاراج جی کے چرنوں
میں جب حضور بھوجن کی خاطر محل میں آئے تو دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی کہ میرے پُتر اب تئیس
برس کے ہو چکے ہیں۔ آج تک انہوں نے جگت کا کوئی بیوہار انگی کار نہیں کیا۔ یہ نہایت عجب لوگوں
کی طرح رہتے ہیں۔ سرل سُبھاؤ اپنے بھاؤ میں مست۔ ہمیشہ ایکانت سیون کرتے ہیں۔ جو شردھالو باہر سے
آتے ــــــــ ہیں۔ انہیں سے کسی سے ملتے جُلتے نہیں۔ نہ انہیں گھر کی خبر ہے نہ باہر
سے کوئی تعلق۔ آپ کے ہوتے تو ہمیں کوئی فکر نہ تھی۔ کیونکہ ہماری سب ضروریات کو پُورا کرنے والے
آپ موجود تھے۔ لیکن آپ کے بعد ہمارا رکشک کون ہوگا؟ آپ ان کے سُبھاؤ کو دیکھتے ہیں۔ آٹھوں پہر
اندر بیٹھے دھیان میں مگن رہتے ہیں۔ بینتی سُن کر سری گورو بولے۔ آپ ان کی چنتا مت کیجئے۔ یہ جگت
کے پوجنیہ پرگٹ ہوئے ہیں۔ انہیں کھان پان کی کچھ پرواہ نہ ہوگی۔ بلکہ اِن کے آسرے ہزاروں ہی
لوگ گذران کریں گے۔ اتنا کچھ سمجھانے پر بھی ماتا جی کو دھیرج نہ ہُوا۔ پھر دوبارہ عرض کی۔ مہاراج آپ
نے گوریائی کی گدی تو اپنے پوتے کو بخشدی ہے۔ اب کیرت پور میں تو سری ہررائے جیو گورو ہو کر براجیں
گے اور کرتارپور میں دھیرمل جی گورو گرنتھ صاحب جنکو قبضہ میں لے کر ڈیرے جما کے بیٹھے ہیں۔ وہاں وہ
کسی کو داخل ہونے نہیں دیتے۔ ماتا جی کو بصورت (دُکھی) دیکھ کر دین دیال جی نے فرمایا۔ کہ اگر گوریائی ذرور
سے آپ لینا چاہتے ہیں۔ تو یہ ہمارا رومال اور مالا ہے۔ اسے اپنے پاس رکھیں۔ وقت پا کر آپ کے
نورِ چشم گورو ہوں گے اس وقت یہ چیزیں اُن کے حوالہ کر دیں۔ لیکن اس گوریائی سے آپ کے صاحبزادے
کے سر پر بڑے کشٹ آئیں گے۔ ایسا کہہ کر اپنا رومال وغیرہ سری نانکی جی کی جھولی میں ڈال دیا۔ وہ پرسن
چت ہو کر مہاراج جی کے چرنوں میں نمسکار کر کے رومال لے کر چلے گئے۔ لیکن سری تیغ بہادر جی کے دل
پر اِس کا کچھ اثر نہ تھا۔ اُن کی برتی ایک رس رہی۔ گوریائی کا بردان پا کر ذرا بھی پرسن نہ ہوئے۔

اپنے پتا جی کے جوتی جوت سما جانے کے پشچات سری تیغ بہادر جی کی برتی یوگ کا روڈھ ہوتی چلی گئی۔ پورے
بیس برس کے لئے گوشہ نشینی اختیار کی۔ پردہ پوشی۔ خاموشی۔ فراموشی اور خلوت آغوشی یہ چار ار
ہٹھ یوگ کی سِدھیاں ہر دم دست بستہ حضور میں رہتی تھیں۔ دنیا میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ مو
وقت میں سامنے ہو رہا ہے۔ اس سارے کھیل پر برہما کار ورتی کا پردہ ڈال دیا یعنی اس جگت جنجال کو
برہم لیلا دیکھا۔ اور برف (جگت) کا پانی (برہم) سے جُدا نظر آتا اسے مکمل طور پر فراموش کر دیا۔ یہ جان
کر کہ برف کو پانی دیکھنا ہی یعنی (برف کی صورت اور نام کو فراموش کرنا ہی) گیان ہے اور سب کچھ بھول
گئے۔ باہر اندر وہی ایک نظر آنے لگا۔ اور جو کچھ بول چال کہنا سُننا جگت بیوہار میں ہو رہا ہے اُسے
شبد مات آکاش روپ جان کر مَون ہو گئے۔ اُس عالی مقام پر جیسے اپنشد میں "گورشتو" کہا گیا ہے۔

جابر اجمان ہوئے۔ وہ تتو سب میں بیاپک اور سب سے بڑے ہونے کے کارن سب سے دور ہے اس لئے اُسے سدا ہی پنچ کوشوں یا غلافوں کے اندر چھپا سا ہوا انبھو جوتی بیزر دیا کر اس میں تدروپ ہو کر پرم ایکانت سیوی ہو گئے۔ گوربانی میں ہم سنتے ہیں۔"

سب تے نیڑے سب ہوں نے دور   نانک آپ الپت رہیا بھر پور

نہایت قلیل مقدار میں غذا لے کر تنہائی اختیار کر کے ایک علیحدہ کُٹیا میں ابھیاس کرتے۔ ابھیاس کے لئے جو سنجم لازمی ہے اس پر پورے طور پر مستقل مزاجی سے قائم رہتے۔ زبان جسم اور دِل پر قابو رکھ کر حواس کی دِل لگی کا تمام شوق چھوڑ کر تمام خواہشات دُنیا داری کو دریائے وحدت میں غرق کر کے جب خودنمائی (دنبھ یا دکھلاوا) کو دور پھینک۔ انانیت اور تکبر کو خاک میں ملا کر غصہ اور جوش کو حلم کی ٹوٹی میں کشتہ کر کے مسکینوں کی مانند گزارہ کرتے۔ ...... نہ کسی سے محبت۔ نہ کسی سے نفرت۔ بیگانگی اور یگانگی کی دورنگی کثافت کو دِل سے دھو کر لطیف۔ اور کثیف محسوسات سے بے تعلق ہو کر بدھی کو برہم اگنی میں پاک کر کے ہر دم (رات دِن) تصور محبوب (برہم) میں مشغول اور عشق حقیقی (پرابھگتی) میں مسرور رہتے! برھم ابھیاس کی تعریف گوربانی میں اس طرح کی گئی ہے۔

"برہم دِسے برہم سنیئے۔ ایک ایک وکھانیئے   آتم پسارا کرنہارا۔ پربھ بنا نہیں جانیئے"

یعنی ایک برہم تتو کا ابھیاس کرنا۔ جو کچھ آنکھوں سے "روپ" دکھلائی پڑتا ہے اور جو کچھ کانوں سے سنائی پڑتا ہے۔ غرضیکہ پانچوں گیان اندریوں سے جو گیان ہوتا ہے وہ برہم ہی کا گیان ہے۔ وہ خود ہی اپنا روپ دیکھتا اور اپنا شبد سنتا ہے پھر جو واک زبان سے نکلتا ہے یعنی جو کرم زبان اور دوسری کرم اندریوں سے عمل میں آتا ہے وہ تمام برھم کرم یعنی برہم کی اپنی لیلا ہے القصہ۔ یہ تمام پسارا بھوتک رچنا۔ برہم کا کھیل ہی ہے۔ اس میں کیول ہم ہی سورج ہو کر اپنی پنچ رنگی شعاؤں (پنچ تن ماترا) کو پھیلا کر تمام وسعت میں ہر سُو۔ ہر جا ہر وقت۔ ہر شے بن کر اپنے آپ میں مست ہو رہا ہے۔ جو کچھ اوپر کی سطروں میں ورنن ہوا یعنی جیون مکت (برہم نربان) آوستھا میں پراپت ہو کر یوگی کی جو دشا ہوتی ہے۔ اُس کا خاکہ ستری گورو تیغ بہادر جیو کی اپنی سری مکھ واک بانی میں یوں دیا گیا ہے جیسا کہ ہم ستری گورو گرنتھ صاحب میں سنتے ہیں۔ گوڑی محلہ ۹

سادھو رام سرن بسراما! بید پران پڑھے کو اِہ گن سمرے ہر کو ناما۔ رہاؤ۔

لوبھ موہ۔ مایا ممتا۔ پھُن۔ او بکھین کی سیوا   ہرکھ سوگ پرسے جہ ناہن۔ سو مورت ہے دیوا۔

سُرگ۔ نرک۔ امرت بکھ۔ اے سبھ تیوں کنچن اور پیسا   اُستت نندا اسے سم جا کے۔ لوبھ موہ۔ پھن تیسا۔

دکھ سکھ۔ اسے باندھے جہ ناہن۔ تہ تم جانو گیانی   نانک مکت تاہ تم مانو ساہ بدھ کو جو پرانی

ادھو:۔ اے معرفت کے شائقین! ادیایک برہم (ربیتی رام) کی سرن میں رسائی کرنے۔ پناہ لینے میں) شانتی ہے! مذہبی کتابیں (وید پران۔ قرآن۔ انجیل وغیرہ) پڑھنے کا مدعا صرف اتنا ہی ہے کہ ہمیں ہری سمرن (اپنے آتما کے اصلی سروپ کی یاداشت ہو) حاصل ہو۔ نہیں تو بے فائدہ مغز خوری ہی ہے۔ کتابوں کو پڑھنے سے حصول گیان کا مطلب ہے۔ یوں تو پنڈت (عالم) لوگوں کو گیانی کہا جاتا ہے۔ مگر نہیں وہ تو محض واچک گیانی ہوتے ہیں۔ حقیقت میں گیانی پُرش وہ ہے۔ جس میں یہ لکشن پائے جائیں۔ اوّل اُس میں مایک پدارتھوں کو جمع کرنے کا طمع نہ ہو۔ دوم۔ پدارتھوں کو پاکر اُن کی الفت میں ہری سے غافل نہ ہو جائے۔ سوم۔ کسی شئے کو اپنی ملکیت تصوّر نہ کرے۔ سب کچھ ہری کا جانے۔ چہارم۔ لذات دنیوی کی قید سے دل کو آزاد رکھے اور خوشی اور غم سے بے لوث رہے ایسا پُرش یقیناً" برہم روُپ ہے۔ پنجم جو یوگی بہشت اور دوزخ سے لاپرواہ زندگی اور موت کو مایا کا کھیل جانتا ہے اور سونا اور تانبا یا لوہا مٹی کے مانند دیکھتا ہے مدح اور ذم کو سم خیال کرتا ہوا دکھ سکھ سے بندھایمان نہیں ہوتا۔ وہی عارف ہے اور وہی مکت ہے وہی سنت ہے۔ وہی سادھو ہے۔ اُسمیں اور ایشور میں کوئی بھن بھید نہیں ہے۔

۳۔ برزبان سنگھاسن

اپنے پتا جی کے سما جانے کے بعد سری تیغ بہادر جی اپنی والدہ کو ہمراہ لیکر بابا بکالہ میں جاکر آباد ہوئے۔ اس بیس برس کے سادھن کے سمے اندر سری گورو نانک دیو جی کی گدی پر دو گورو بیٹھ چکے تھے۔ پہلے سری گورو ہر رائے جی جو سری گورو ہر گوبند جی کے پوتے تھے۔ اور دوسرے جو کہ سری گورو ہر رائے جی کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کا نام سری گورو ہر کرشن دیو تھا۔ اُنہوں نے دہلی میں شریر چھوڑتے وقت فرمایا تھا۔ کہ "بابا بکالے" یعنی ہمارے بعد ہمارا جانشین بکالا شہر میں ملے گا۔ جب یہ خبر موضع بکالا میں پہنچی۔ تو دھیرمل وغیرہ بہت سے سوڈھی۔ اپنے اپنے گھر علیحدہ علیحدہ بائیس ۲۲ مندیں لگا۔ حسب حیثیت شان و شوکت بناکر گورو بن بیٹھے۔ مگر یہ گورو جن کے واسطے خاص وصیّت ہوئی تھی۔ خاموش اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر اپنی جبلی عادت کے موافق ہر وقت مراقبہ اور مکاشفہ میں مشغول رہتے اور کسی سے کچھ سروکار نہ رکھتے۔ پنتالیس ۴۵ سال پورن برہم چرج دھارن کرکے سناتن رشیوں کا عہد پورا کیا اور برہم برزبان کے سنگھاسن پر شوبھائمان ہوئے۔ گدی گورو بائی کا خیال مطلق نہ کیا۔ مگر سچائی پرگٹ ہو کر ہی رہتی ہے لاکھوں بار سیاہ بادل جمع ہو کر سورج کو چھپانے آئے مگر سورج کے تیج سے کافور ہو گئے۔ نقلی گوروؤں کی چالبازیوں سے عقیدت مند

لوگ نہایت تنگ آگئے اور حقیقی گورو کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تھے۔ آخر کار پاربرہم پرمیشور کی درگاہ میں عاجز بندوں کی پکار سُنی گئی! اسی اثنا میں جب ایک سکھ مکھن شاہ نامی قوم لبانہ ساکن ٹانڈہ ضلع جہلم (جس کی بابت یوں روایت ہے کہ اس کا جہاز سوداگری کے مال سے لدا ہُوا کہیں سمندر میں اٹک گیا تھا۔ مگر جب اُس نے پانصد اشرفی گورو صاحب کی منت مانی تو اُس کا جہاز چل پڑا) ایک ہزار قسم لیکر بکالہ پہنچا۔ تو یہاں گھر گھر گورو دیکھ کر نہایت ششش و پنج میں ہوا۔ آخر اپنے دل میں ٹھان کر کہ جو اصل گورو ہوگا۔ وہ خود مانگ لے گا۔ سب کے سامنے ایک ایک دو دو اشرفی نذر گذارتا گیا۔ جب کسی نے کچھ نہ کہا تو اُس نے حیران ہوکر لوگوں سے دریافت کیا کہ کوئی اور بھی گورو باقی ہے۔ تب کسی نے کہا کہ ہاں ایک اور بھی "مست تیغا دیوانہ اس جگہ رہتا ہے چنانچہ اُس نے وہاں بھی جا کر ایک اشرفی نذر کی۔ لیکن انہوں نے فرمایا۔ کہ بھائی! ایمارہ؛ منت تو پانصد اشرفی تمہارے ذمہ ہے۔ تم ایک کیوں دیتے ہو۔ یہ الفاظ سُنتے ہی وُہ چشم پُر آب ہو کر اِن کے قدموں میں گر پڑا اور حسب اقرار پانصد اشرفی بھینٹ کر کے ملتمس ہُوا۔ کہ مہاراج! آپ نے اپنے تئیں پوشیدہ کیوں کر رکھا ہے تمام سکھ سنگت آپ کی تلاش میں حیران اور سرگرداں ہو رہی ہے۔ آپ اپنے آپ کو کرپا کر کے ظاہر کریں۔ اور بیچارے سکھوں کے پژمردہ دلوں کو شاد کر کے اِن جھوٹے گوروؤں کے عذاب سے پناہ دیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ گورو ہونے کا بوجھ ہمیں بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے۔ ہم تنہائی میں گوبند کے گُن گا کر خوش رہتے ہیں۔ مگر وہ صادق سکھ فوراً کوٹھے پر چڑھ کر بآواز بلند پُکار پکار کر کہنے لگا کہ "گورو لادھو۔ گورو لادھو" یعنی حقیقی گورو آج مجھے مل گیا ہے۔ آؤ درشن کر لو! جس کو سُنتے ہی بے شمار لوگ جمع ہو گئے اور اُس سے ساری سرگذشت سُن کر اِن کو بساکھ ۸ سمت ۱۷۲۱ میں حسب قاعدہ گوریائی کی گدی پر بٹھا دیا گیا۔ اور انہی کو اپنا سچا گورو ماننے لگے۔ اس وقت ان کی والدہ شری متی نانکی جی نے وہ اشیاء جو گورو ہرگوبند صاحب دے گئے تھے۔ (مالا۔ رومال) وغیرہ اِن کے حوالہ کر دیں۔ اب ہر چہار سمت سے سنگت درشنوں کو آنے لگی اور پوجا پرتشٹھا بھینٹ افراط سے چڑھنے لگی۔ جس کو دیکھ کر دھیرمل وغیرہ جھوٹے گوروؤں نے مارے حسد کے جمع ہو کر ان پر حملہ کر کے تمام اسباب لوٹ لیا۔ اور اِن پر بندوق کا نشانہ بھی سر کیا۔ مگر قدرت الٰہی سے گولی اِن کے پاس سے نکل گئی۔ اور اِن کا بال بھی بیکا نہ ہُوا۔ اِن کا ایک سیوک مارا گیا۔ اس واقعہ سے گورو جی کے دِل پر ذرا اثر نہ ہُوا۔ وُہ اِسی طرح شانت چت ایک رس اپنے گھر آ کر بیٹھ رہے اور اُسی طرح گدی کے سنگھاسن پر بیٹھ کر درشن دینے لگے۔

اِس موقعہ پہ گورو جی نے ایک شبد اُچارن کیا۔ بسنت محلہ ۹

مائی ہیں دھن پائیو ہر نام ۔ من میرو دھاون نے چھوٹیو کر بیٹھو بسرام !
رہاؤ ۔ مایا ممتا تن تے بھاگی اپجیو نرمل گیان ۔ لوبھ موہ اِہ پرس نہ ساکے گہی بھگت بھگوان
جنم جنم کا سنسا چوکا ۔ رتن نام جب پایا ۔ ترسنا سکل بناسی من تے نج سکھ مانہہ سمایا
جا کو ہوت دیال کرپا ندھ سو گوبند گا دے ۔ کہو نانک اِہ بدھ کی سمپے کوا و گر مکھ پاوے

ارتھ :۔ اے سنتو ! اب میں نے ہری نام دھن کو پا لیا ہے ۔ وہ دھن کیسا ہے ۔ جس کو حاصل کرکے من کا باہر جانا بند ہو کر سہج سمادھ رہتی ہے ۔ جھوٹی مایا کا موہ روپ بادل نرمل گیان سورج کے اُدے ہونے سے اُڑ گیا ہے اور نام رتن کی روشنی میں جنم جنمانتروں کا اندھیرا دور ہو گیا ہے ۔ ترشنا کے مٹ جانے سے اب اپنے سروپ میں قیام ہوا ہے ....

(اس شبد میں سنساری دھن اور آتمک دھن میں مقابلہ کیا گیا ہے)

ہری دھیر مل وغیرہ کی اسقدر زیادتی پر بھی گورو جی نے اس کا انتقام لینا نہ چاہا ۔ لیکن سکھوں نے جب اپنے گورو کی یہ حالت دیکھی تو اِن کے دلی جوش اور حق خا و ماتہ نے انہیں بالکل چُپ بیٹھے رہنے نہ دیا ۔ فوراً مکھن شاہ کی سرکردگی میں اتفاق کر کے دھیر مل کی سرکوبی کے لیئے آمادہ ہو گئے اور اس کی خوب گت سنواری ۔ یہاں تک اُس کا سب مال و اسباب چھین کر وہاں سے نکال دیا ۔ مگر گورو جی نے سارا اسباب واپس کر دینے کا حکم دیا ۔ یہاں تک کہ اپنے گھر کی اشیا اور نقدی وغیرہ لینے سے بھی انکار کر دیا ۔

۴۔ مکھن شاہ، گورو لو سنباد

اب ہم جو سنباد گورو جی اور مکھن شاہ کے درمیان ہوا مختصر طور پر سناتے ہیں :۔

سب وستو کو دیکھ کر کرپا سندھو بولے ! مکھن شاہ ! یہ چیزیں کیسی ہیں ۔ تم یہ کہاں سے لائے ہو ؟ اور باہر یہ شور کیسا ہو رہا ہے ؟ آج شام کو تم ہتھیار باندھے ہوئے کیسے یہاں آئے ہو ؟ دینا ناتھ کے مدھر وچن سن کر مکھن شاہ بولا ۔ جگت گورو ! جس نندک اور پاپی نے آپ کا اپمان کیا تھا ۔ جن دشٹوں نے گورو گھر کا سارا اسباب لوٹ لیا تھا ۔ میں اُن کو ڈنڈ دے کر باندھ لایا ہوں اور تمام مال اُن سے چھین کر حضور کے سامنے لا کر رکھا ہے ۔ دھیر مل نے اگرچہ بڑی ہتیا کی ہے ۔ لیکن میں نے اسے گورو کل سے پیدا شدہ جان کر قتل نہیں کیا ۔ ورنہ سزا واجبی اُس کے لیئے یہی تھی ۔ اے ناتھ ! میں گورو گھر کا سکھ ہو کر حضور کی گولی کا وارث ہوکر کب برداشت کر سکتا تھا ۔ وہ سکھ نہیں جو گورو کا اپمان سہار سکے ۔ سکھ کا دھرم ہے کہ گورو کا اپمان دیکھ کر اپرادھی کا مقابلہ کر کے اُسے جان سے مار دے

یا لڑتا ہُوا مر جائے! جب مجھے اِس واقعہ کی خبر ملی۔ مَیں نے بغیر کسی دیر کے دھیرل کا بھاری قصور دیکھ کر (ہتھیار سنبھال) ہلہ بول دیا۔ آپ اب اپنی دستو سنبھال لیویں۔ انہوں نے بلا وجہ آپ کی آوگیا کی ہے۔ اِس لیئے اب اُن کو حضور کے حوالہ کرتا ہوں۔ آپ کرپا کر کے اپنی تمام چیزیں گھر میں رکھیں۔ اور اپرادھی کو مناسب سزا دیویں۔ تا کہ آئیندہ کے لیئے مسندوں کو گورو گھر کی ہتک کرنے کی جرات نہ ہو۔ مکھن شاہ کے بچن سُن کر کھاتے پنچ ستگورو بولے مکھن شاہ! یہ تم نے کیا کیا! جن دُشٹوں نے کام اور کرودھ کے بس ہو کر اپرادھ کیا۔ اُن کے مانند تم لوگوں کو ہونا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اِس میں بڑا دوش نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ ترشنا (طمع) کے سبب سے ہُوا کرتا ہے کام اور کرودھ۔ لوبھ وغیرہ ترشنا سے اُتپن ہوتے ہیں۔ یہ جنم مرن کے دینے والی بلا ہے۔ ترشنا ہی سکل وکاروں کا مُول کارن ہے اِس کی جڑ کاٹنے سے تمام وکار خود کٹ جاتے ہیں۔ اسواسطے مہان پُرش ترشنا کے دُور کرنے کا اُپائے کرتے ہیں۔ جب یہ کارج سِدھ ہُوا تو موکش کی سیڑھی پراپت ہوتی ہے ترشنا کا بیج جل جانے سے دوبارہ اُگ نہیں سکتا۔ یعنی ترشنا کو ناش کرنے سے آتم دیو کا درشن ہوتا ہے۔ تم گورو تانک نرنکاری کے گھر کے سکھ ہو کر یہ خیال مال اور اسباب کے متعلق دِل سے دُور کر دو۔ اور یہ ساری چیزیں دھیرل کے گھر میں واپس لے جا کر پہنچا دو بلکہ جو دھن سِکھ سنگت نے گورو ارپن کیا ہے وہ بھی ان کے ساتھ ہی لے جاؤ اور اب اسی وقت اپنے دِل کا جوش ٹھنڈا کر کے دھیرمل کے پاس چلے جاؤ۔ بعدہٗ تمہیں شبد اور اپدیش کا دویک دیا جائے گا۔ جس کو پا کر سب کلیشوں کا ناش ہوتا ہے۔ گورو دیو کے بچن سُن کر مکھن شاہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ہے دیا ندھ! جن لوگوں نے اسقدر اپمان کیا کہ آپ کا پران لینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ایسے کمتی دشٹ۔ تھوڑا اور اساد قصور لوگوں پر نرمی اور رحم کرنے سے دیاوان پُرش کے اُدار کارج اس طرح نشٹ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح پارہ اگن کی حرارت سے اُڑ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے کھاونت پُرش کا ہر کوئی اپمان کرنے لگ جاتا ہے اور بے دھڑک ہو کر لوگ اُسے دکھ دینے لگ جاتے ہیں۔ اور اس کا دُنیا میں نرادر ہوتا ہے۔ لوگ اُسے ایسی اور داردری کہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اپرادھی کو اپنے قصور کی سزا نہ ملے تو وہ بے ڈر ہو جاتا ہے اور آئیندہ کے لیئے نہ صرف وہ خود اس پر حملہ کرنے کا حوصلہ کرتا ہے۔ بلکہ کئی اور اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا کرنے پر آمادہ کر لیا کرتا ہے۔ اپرادھی کو ڈنڈ دینا بھگوان کی مریادا کے خلاف نہیں ہے دیکھیئے مہاراج! مریادا پرشوتم سری رام جنہوں نے سمندر پر پُل باندھ کر کپی سینا کو پار کیا۔ اگر وہ کھما کا تیاگ نہ کرتے تو سیتا ستونتی کو کس طرح واپس لے آتے اور مہان بلی یودھا راون سے دین۔ دُکھی پرجا کو کس طرح آزاد کرتے! پھر بھگوان کرشن نے جب دیکھا۔ کہ دریودھن

کے دُوتوں نے راج سبھا کے اندر مہا اپرادھ دروپدی کا اپمان کیا ہے تو انہیں کھما کا تیاگ کرنا پڑتا کہ پاپیوں کو ڈنڈ دیا جاوے۔ مہابھارت کا سنگرام کھڑا کر اٹھارہ اکشونی سینا کا سنگھار کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنی یاد دکُل کے لوگوں کو دھرم سے بھرشٹ دیکھ کر براہمن کے شراپ سے آپس میں کلہہ وواد سے نشٹ کر دیا۔ تاکہ بھومی سے بھار دُور ہو اور راجہ پرجا سُکھ سے اپنا گیان بھری چنتن میں لگا کر جنم کو سُپھل کر سکیں۔ اس طرح ہے۔ سر بگیہ گورو دیو! بعض اوقات کھما دھرم کے پالن میں اگر دوشٹوں اور مہا دُگُھنوں کی پراپتی ہُوا کرتی ہے۔ اکھما میں بُہت گن اور لابھ ہُوا کرتے ہیں۔ اور کھما میں کئی ایک نقصان۔ مثلاً بدنامی اور ناکامیابی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر حضور اس طرح پر کھما ہی کرتے رہیں گے۔ تو پاپی لوگ پھر بھارسی اوگیا کرنے پر تُل جائیں گے جب پاپ کا ڈنڈ نظر نہ آوے گا۔ نونت ہی وہ لوگ دُشٹ کرم کرنے پر اُدیت (تیار) رہیں گے۔ لوگ بیخوف ہو کر کمزور لوگوں پر ظلم برپا کریں گے اور دھرتی پر پاپ پھیل جائیگا۔ اگر راجہ ڈنڈ دینے سے پرہیز کرے تو پرجا میں ہر جا فتنہ بپا ہو جائیگا۔ دینا ناتھ گورو! آپ کیوں خواہ مخواہ پاپی دشٹوں سے اپنا اپمان کرواتے ہیں۔ اب تک مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم کس طرح دھرم بل کی چیزیں واپس کرویں۔ اور کس طرح گولی چلانے والے پاپیوں کو بغیر ڈنڈ کے چھوڑ دیویں۔ اس میں بڑا انیائے ہے۔ کہ ایسے اپرادھی سزا سے بالکل بچ جاویں۔!

گورو جی نے ان بچنوں کو بڑے پریم سے سُنا اور مکھن شاہ کو شانتی کے اپدیش دے کر دھیرج دیا۔ اے مکھن! کان لگا کر سُنو! لوگ جو کام سُکھ کے لئے کرتے ہیں۔ انہیں سے دُکھ پیدا ہوتے ہیں۔ اندریوں کے وَش ہو کر وشئی باتیں سُن سُن کر کامنا کو دھارن کرتے ہیں۔ جب کامنا کی پورتی کے لئے اُدم کرتے ہوئے رکاوٹ پیش آتی ہے تو کرودھ پیدا ہوتا ہے۔ پھر یوگ۔ ایوگ کی سُوجھ نہیں رہتی۔ کرودھ کے بس میں ہو کر کُکرم کرتے ہیں۔ اور بُدھی کا ناش ہو کر دھرم کا ناش ہوتا ہے۔ کرودھ کے غالب ہونے سے انسان ماتا پتا اور گورو کی ہتک کر بیٹھتا ہے۔ یہاں تک پران لینے سے بھی نہیں چُوکتا۔ اور کرودھی کو چین نہیں آتا یہاں تک کہ رات کو نیند بھی نہیں آتی۔ حسد کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ اور جیتے جی نرک میں پڑ کر دُکھی اور دین ہوتا ہے۔ دھرمی کو سزا دینے کے لئے مکھن شاہ وغیرہ نے بہت کچھ پرارتھنا کی۔ لیکن مہاراج نے فرمایا کہ کھما کرنی چاہیئے۔ ایشور اوگُن ہار پُرشوں کے اوگن نہیں دیکھتے اور کھما کرتے ہوئے سب کو سب کچھ دیتے ہیں۔ اسی طرح سادھو کو بھی کھما کا دان اپرادھی کو دینا لازم ہے۔ کھما کے سمان کوئی تپ نہیں۔ کھما کے سمان کوئی دھرم نہیں۔ کھما میں پرماتما کا نواس ہے۔ پرماتم دیو کھما سروپ ہیں۔ شری مکھ واک کبیر۔

جہاں گیان تہ دھرم ہے۔ جہاں جھوٹھ تہ پاپ
جہاں لوبھ تہ کال ہے جہاں کھما تہ آپ"

۵- گور دیو جننی سنباد

اس طرح سے جس وقت شری گورو تیغ بہادر جی مکھن شاہ کو تمام اسباب لوٹا دینے کے لیے سمجھا رہے تھے۔ تو مہاراج کی ماتا سری نانکی جیو وہاں آگئیں دِل اُن کا بہت دکھی تھا۔ ماتا جی کہنے لگیں۔ دھیرمل نے دیکھو کیسا اپراودھ کیا ہے پھر بھی آپ اُن کا بھلا چاہتے ہیں۔ جس شخص نے بندوق کا نشانہ آپ کو کیا۔ اور آپ کے پران لینے پر آمادہ ہو گیا۔ اور تمہارے گھر کا سارا اسباب بھی لُوٹ لیا۔ وہ واقعی ونڈ دینے کے لوگ ہے۔ مہاراج جی ماتا جی کے بچن سُن کر خاموش ہو رہے۔ پھر وہ مکھن شاہ کی طرف مخاطب ہو کر بولیں!۔ سری گورو ہر گوبند جی کے پانچ صاحبزادے تھے جن میں یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ باقی چاروں نے چھتری دھرم اختیار کیا۔ وہ شستر دھاری ہوئے لیکن ان کو کوئی بیوہار دُنیا کا اچھا نہیں لگتا۔ یہ ہر وقت ایکانت میں بیٹھے رہتے ہیں۔ کسی سے کلام تک نہیں کرتے کسی سے لین دین مطلق نہیں رکھتے۔ ہمارے شریکوں میں سے دھیرمل ان سے بہت ورودھ رکھتا ہے دیکھو اُس نے اپنے گھر میں کتنا بھاری ساج بنا رکھا ہے ادھر ہمارے گھر کی گذران بھی بمشکل ہوتی ہے تم لوگ سب حال آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ ان کے سنتوش کی طرف ذرا خیال کرو کہ اپنے گھر کا مال بھی واپس دیئے جاتے ہیں۔ دھیرمل کے گھر میں تو ترشنا کی آگ لگ رہی ہے اُنہیں چاہیے کوئی کتنی دولت دے دیوے اُن کا چت شانت نہ ہو گا۔ اچھا مکھن شاہ اگر یہ ہم لوگوں کی بات نہیں سُنتے تو جاؤ۔ یہ سب مال و دولت دھیرمل کے گھر میں جا کر چھوڑ آؤ۔ ایسا کہہ کر جننی نے اپنی آنکھوں کو آنسوؤں میں ڈبا کر نیچے کر لیا۔ اور خاموش ہو گئیں۔ دِل میں سوچ کرتی ہیں کہ ایسے کرت گھن پرشوں کے ساتھ بھی میرے پُتر بھلا ہی کرتے ہیں! اِس طرح بچن بلاس کرتے ہوئے پھر رات گذر گئی! جننی کے بچن سُن کر پھر کشا ندھی بولے! مکھن شاہ! درست کرو۔ دھیرمل کے گھر جاؤ۔ اس کی تمام چیزیں بمعہ ہمارے گھر کے دھن کے وہاں پہنچا دو۔ اسپر سری نانک نرنکاری کے وچنوں کو سمرن کرتے ہوئے مدھر سُر سے کہنے لگے۔

شری مکھ واک محلہ پہلا

"اچھل چھلائی نہ چھلے نہ گھاؤ کٹا را کر سکے جیوں صاحب راکھے تیوں رہے اس لوبھی کا جیو ٹل پلے

ارتھ:- یہ لچھمی نہایت چنچل ہے۔ ٹھہر نہیں رہتی۔ جس وقت آتی ہے ذرا سکھ کا کھیل کار دکھلاتی ہے لیکن جاتے وقت دُکھ کی آگ لگا کر جاتی ہے لوبھی شخص اس کیلئے بے شمار پاپ کرتے ہیں اور اسی طرح پاپ کرتے ہوئے انت کال نرک کو پراپت ہوتے ہیں۔

یہ مایا کسی سے چھلی نہیں جاتی۔ اس مایا کو کسی ہتھیار سے کاٹا نہیں جا سکتا بلکہ یہ سب کو کاٹ دیتی

ہے ۔ لوبھی کے من کو ہر وقت اپنے مالک سے بے مُکھ رکھتی ہے ہر کوئی یہی مانگتا ہے کہ مجھے دوسرے سے زیادہ دولت ملے ۔ اس کے سجن ۔ پالن اور ناش کے اندر دکھوں کی قطاریں دکھائی پڑتی ہیں ۔ مکھن شاہ ڈھیر مل کے بارہ میں سوچتے کیا ہو ۔ جو چیزیں لے آئے ہو ۔ انہیں اسی طرح جا کر واپس دے آؤ ۔ مست ہاتھی جس طرح سنگل سے بندھا جاتا ہے مکھن شاہ گورو بچنوں سے بندھا گیا ۔ سب سے سُنا کر کہنے لگے ۔ بھائیو ! جس طرح گورو کی رجائے " ہمارا زور چل نہیں سکتا ۔ پھر گورو جی کے چرنوں میں نمسکار کر کے بولا ہے سنگگورو ! جس طرح آپ کی آگیا ہے ہم لوگ اس کے انوسار ہی چلیں گے ۔ پھر گورو جنی کے سامنے اپنے نوکروں سے کہنے لگا ۔ یہ تمام چیزیں اور نقدی اٹھا کر لے جاؤ ۔ اور دھیر مل کے پاس پہنچا دو ۔ جا کر اس کو کہو ۔ " دھیر مل ! تم تو ذرا وچار کرو ! جس طرح گورو دیو پر تم نے گولی چلائی انہوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے ؟ آئندہ تمہیں چاہیئے کہ دُر آچاری پُرشوں کے ساتھ مل کر گورو دیو کے ساتھ دشمنی نہ رکھو ۔ سنگگورو کی بڑائی اور عظمت کو دیکھو کہ دیا دھارن کرتے ہوئے تمہارے اپرادھ کا خیال نہیں کیا ۔ تمہاری چھینی ہوئی وستو سہت اپنے دھن کے تمہیں واپس دے رہے ہیں ۔ اگر ہم لوگ تمہاری طرح شستروں کا استعمال کرتے تو آج تم معہ اپنے ساتھیوں ملکِ عدم کے راہی ہوتے ۔ یہ سب کچھ سری گورو تیغ بہادر جی کی کرپا سے ہوا ہے اس لئے ایسے کرپالو گورو کی شرن لو اور ان کا دھنیہ باد کرو ! "

مکھن شاہ کے سپاہی دستوؤں کو اٹھا کر دھیر مل کے پاس لے گئے اور اپنے سوامی کا سندیش اُسے جا کر سُنایا ۔ دھیر مل کا دل ان بچنوں سے بیدھن ہو گیا ۔ اُوپر آنکھ اٹھا کر دیکھ نہ سکا ۔ خاموش بیٹھا بچارنے لگا ۔ کہ واقعی گورو تیغ بہادر ہیں ۔ ! ان کی بہادری کی مثال دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی ! ۔

مکھن کے آدمی چیزیں دیتے تھے اور سندیسے کہہ کر رکھتے جاتے تھے مگر دھیر مل دریائے شرمندگی میں غرق ہوا جاتا تھا ۔ دل میں کہتا تھا ۔ کہ دیکھو میں نے ان کا کس قدر اپرادھ کیا ۔ اُن کی جان لینے سے بھی نہ ٹلا پھر بھی انہوں نے میرے ساتھ ہت ہی کیا ہے ! اُن کی کرنی کو پہنچ نہیں سکتا ۔ سری نانک نرنکاری کی گدی پر وہی بیٹھنے کے قابل ہیں ۔ دُنیا میں دوسرا ان کے سمان نہیں ہے ۔ ہم نے برکشوں کی مثال سُنی تھی ۔ کہ سنت برکشوں کی مانند ہوا کرتے ہیں ۔ مگر یہ بات آج سری گور تیغ بہادر جی میں دیکھنے میں آئی ہے ۔ اپکاری پر اُپکار کرنا ۔ انہیں کا کام ہے ۔ ان کی مہما ان ہی کو بن آئی ہے ۔ اس طرح سوچتے ہوئے اپنے قصور پر پچھتانے لگا اور من ہی من میں اپنے تئیں دھکار کہنے لگا ۔ مگر انسان کا سوبھاؤ مرتے دم تک ساتھ ہی رہتا ہے ۔ پھر اس کے دوستوں نے اسے سوتے ہوئے کو آ جگایا ۔ ایرکھا کی آگ بدستور بھڑک رہی ۔

۶ ۔ سری مندر یاترا

بکالہ میں سوڈھیوں کی ایرکھا دیکھ کر مہاراج نے اس جگہ کو چھوڑنا چاہا ۔ مکھن شاہ نے ایک دن

عرض کی۔ ہے ستگورو آنند کے ندھان! میں نے سنا ہے کہ شری امرت سر جی کا تیرتھ شری گورو ارجن دیو جی نے اپنے پتا جی کے آگیا انوسار پرگٹ کیا تھا۔ اب بیساکھی کا پرب نزدیک آگیا ہے۔ میرا چت کرتا ہے کہ وہاں جا کر اسنان کر آؤں۔ اُس تیرتھ کی مہاں بہت کہی گئی ہے۔ آپ کی آگیا ہو تو کچھ دن کے لئے چلا جاؤں۔ پھر وہاں سے واپس آپ کی سیوا میں پہنچ جاؤں گا۔ تو مہاراج بولے۔ کہ امرتسر کچھ دور نہیں ہے۔ ہم بھی ہری مندر کا درشن کریں گے۔ مِل کر ہی جائیں گے۔ اور مِل کر ہی واپس آجادیں گے۔ مہاراج نے تیاری کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ سُن کر مکھن شاہ بہت ہی پرسن ہُوا۔ اُس نے چت میں بچار کیا کہ گورو دیو کے سنگ مل کر یاترا کرنے سے مجھے ادھک لابھ ہوگا۔ اِس اوسر کو مہان اُتم جانا اور بھاگ دھن جان کر تیاری کروانے لگا۔ ایک گھوڑی پر جس کا رنگ سفید تھا۔ سُندر زین ڈال کر مکھن شاہ لے آیا۔ اور اُس پر گورو جی سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ سب سے آگے گورو جی کی سواری۔ پیچھے اسباب سے لدا ہوا رتھ۔ سب سے پیچھے مکھن شاہ بمعہ اپنے سواروں کے چلے جاتے تھے۔ سفر ختم کر کے سری رامداس پوری کے نکٹ جا پہنچے۔ مندر کے پجاریوں نے جب مہاراج جی کا آگمن سُنا تو سوچنے لگے۔ ایسا نہ ہو ہمارے ساتھ ان کا بگاڑ ہو جا ئے۔ یہ بیساکھی کا میلہ دیکھنے کو امرت سر آگئے ہیں۔ جب یہ مندر کی آمدنی دیکھیں گے۔ تو ضرور ہی ہم سے روپیہ طلب کریں گے۔ اس وقت مکھن کے سواران کے ہمراہ ہیں۔ اس لئے مقابلہ کرنا بھی اِن کا مشکل نظر آتا ہے سُنا ہے کہ مکھن نے دھیر مل کا جو اس وقت تمام مسندوں سے بڑا ہے ڈیرہ بھی لوٹ لیا ہے جب اُس کا حال یہ ہُوا ہے تو ہمارے ساتھ کب اچھا سلوک ہو سکتا ہے۔ ان کا اس موقعہ پر یہاں آنا محض اس لئے ہے کہ یہاں سے بہت دھن پا کر اپنی گوریائی کو سکھوں میں قائم کریں! اس لئے آؤ۔ ہم سب آپس میں اتفاق کر کے اُن سے جا کر بالکل نہ ملیں۔ اور اپنے اپنے استھانوں میں چھُپ رہیں!۔ ان کا بچپن سے ہی یہی سبھاؤ رہا ہے۔ کہ کسی مسند سے ملتے تک نہیں۔ سب سے نرالے ہو کر علیحدہ بیٹھے رہتے ہیں۔ اگرچہ مکھن وغیرہ نے مِل کر انہیں گورو پرگٹ کیا ہے تو بھی کوئی مسند ان کو جا کر نہیں ملتا۔ اور کار بھینٹ بھی سکھوں سے کم ہی آتی ہے۔ یہ یہاں اسی خیال کو لے کر آئے ہیں۔ کہ پہلے سری ہر مندر جی کے پجاری اِن کے ساتھ مِل جائیں تو بعدہ اِن کی گورُیائی اچل ٹک جائے گی۔ اب تک تو شک ہی تھا۔ مگر اب یہ گورو بن کر گدی نشین ہو چکے ہیں۔ سری گورو ہر گوبند صاحب جی کے صاحبزادے ہونے کی حیثیت میں اور سری گورو ہر کرشن دیو جی کی پیشین گوئی کے مطابق اِن کا دعویٰ تمام مسندوں پر ہو سکتا ہے۔ اس لئے اِن کے ساتھ ملنا نہایت خطرناک ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہری مندر پر قابض ہو جاویں۔ اس طرح آپس میں مشورہ کر کے چاروں دروازے سری ہر مندر جی کے بند کر کے اور ساتھ ہی درشنی دروازہ کو بھی قفل لگا کر بند کر دیا۔ تاکہ گورو جی اندر نہ جانے پائیں۔ جب گورو جی مندر کے درشن کے لئے آئے تو انتر جامی نے پوجاریوں کی منشا کو جان لیا۔ اس وقت مکھن سے کہنے لگے۔ دیکھو ان

پجاریوں نے باہر سے آئے یاتری جنوں کا آدر نہیں کیا۔ لالچ کے آدھین ہو کر دروازے بند کر چھپ رہے ہیں آج ہری کیرتن بند ہے۔ شبد کی دھنی مندر سے نہیں آتی! سری گورو دیو جی کے بچن سن کر مکھن شاہ نے بنے کی ہے نائقہ! آپ اگر مجھے آگیا کریں تو ان کو دھیرمل وغیرہ کی مانند ونڈ دیا جاوے۔ آپ جگت گورو ہیں۔ اس وقت سری گورو نانک نرنکاری کی گدی کے آپ مالک ہیں۔ تمام سکھی منڈل کے لئے آپ پوجنیہ ہو۔ یہ تمام مندر آدی آپ کے سھاپن کیئے ہوئے آپ کے ہیں۔ ان درجنوں نے آپ کا جان بوجھ کر اپمان کیا ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھیٹا حاضر نہیں کی اور آپ کا یوگ سمان نہیں کیا اس لئے ان بے مکھ چوروں کو جب تک تاڑنا نہ کی جائے گی۔ ان کی مت ٹھکانے نہیں آئے گی۔ کیونکہ گوربانی میں لکھا گیا ہے۔

"تے ہر کے چور بے مکھ منہ کالے جن گرُ کی بیج نہ بھائے"

وہ صریحاً چور ہیں اور مندمتی دُشٹ بے مکھ ہیں جو گورو کی شان کو دیکھ کر جلتے ہیں! مگر کیا کیا جائے۔ آپ کشماوان پرشوں میں پردھان ہیں۔ جہاں ونڈ دینا اچت ہے وہاں آپ ہمیشہ دھیرج سے کام لیکر اپرادھی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مکھن کے اصرار کرنے پر بھی گورو جی نے پجاریوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

مہاراج مندر کو نمسکار کر کے چلے آئے اور سرور میں اسنان کر کے۔ سری اکال بنگہ کے متصل ایک درخت (بیر صاحب) کے نیچے جو آجکل تھڑہ صاحب کے نام سے مشہور ہے جا بیٹھے اور تھوڑی دیر کے بعد امرتسر سے مشرق کی طرف ۲ کوس کے فاصلہ پر موضع بلہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں بے شمار لوگ حسب حیثیت نذر نیاز لے کر جا پہنچے اور گورو جی کے قدموں میں حاضر ہو کر اپنی بہبودی کے خواہاں ہوئے۔ ہر سال ماگھ کی پندرہ کو اب تک اسی یادگار میں میلہ لگتا ہے۔ سری مندر کی یاترا سے واپس آکر بکالہ کو چھوڑ دینے کا آخری فیصلہ ہو گیا۔ وہاں سے اپنے متعلقین کو ہمراہ لے کر راستہ کے لوگوں کو اپنے پُردرد اپدیش سے فیض یاب کرتے ۱۶۶۵ء میں کیرت پور پہنچے۔ یہاں پر تمام مالوہ کے سکھ لوگ ان کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی زیارت کے لئے آنے لگے۔ تھوڑے دنوں میں نقدر جنس اسقدر چڑھا کہ لنگر اور خزانہ رونق پکڑ گئے مگر چونکہ وہاں کے شری سورج مل جی سوڈھی وغیرہ ان سے رشک رکھتے تھے۔ انہوں نے دریائے ستلج کے کنارہ پر موضع ماکھووال کی اراضیات کی ملکیت خریدی اور وہاں جا کر اس کی آبادی کو رونق دینے لگے اور اس کا نام سری انند پور رکھا۔ ادھر دھیرمل سوڈھی نے روز بروز ان کی ترقی اور اقبال کو دیکھ کر سری رام رائے (صاحبزادہ سری گورو ہرکشن جیو) کو چمکا کر بادشاہ دہلی کے پاس گوریائی حقوق کا دعویٰ کر دیا مگر کچھ سنوائی نہ ہوئی۔ جب یہ خبر گورو جی کو پہنچی

تو محہ قبائلی پورب کی طرف تیرتھ یاترا پر روانہ ہو گئے۔ اور رستہ میں لوگوں کو اپنے پُرتاثیر اُپدیشوں سے نہال کرتے ہوئے کیتھل میں ٹھہر اور تھانیسر پہنچے۔ وہاں سے کرناٹک پورہ میں تلوک داس بیراگی کو اپنے امرت بچنوں سے تسکین دی۔ یادگار کے طور پر وہاں گورو جی کی پوتھی اور کھڑانواں ابتک موجود ہیں۔ اور ایک گوردوارہ بنا ہوا ہے:۔

(ادم شم)

جیون مکت کی آرزو

میرے دل کا مالک تو ہی ہو تو ہی ہو　　تو ہی ایک راحت تو ہی زندگی ہو

میرا جسم دنیا میں رہتا کہیں ہو　　یہ فرحت میں ہو یا بحالِ حزیں ہو
مگر تجھ سے ہی آنکھ میری لگی ہو　　تیرے بن نہ دلدار میرا کوئی ہو

ہو سردی کہ گرمی کہ بارش جھڑی ہو　　ہو پربت سمندر کہ نالا ندی ہو
ہو بستی کہ بن یا محل جھونپڑی ہو　　لگن ایک تجھ سے ہی میری لگی ہو

میرے پاس دولت ہو یا مفلسی ہو　　کوئی ویر رکھتا ہو یا دوستی ہو
ملے عمدہ کھانا کہ فاقہ کشی ہو　　تجھی ایک میں روح میری رم رہی ہو

ہو عزت جہاں پر کہ بے عزتی ہو　　خوشی ہو مصیبت ہو جاں کندنی ہو
نہ تجھ سے مری بیوفائی کبھی ہو　　وہی ہو پتا جس میں تیری خوشی ہو

نیتی شتک بھرتری ہری

مترجم شری ساحرؔ سناحی ایم اے

علم سے بے بہرہ جو انساں ہے وُہ حیوان ہے
قوت برداشت ہو تو ہے زرہ بکتر وہی
بھائی جب بھڑکے ہوئے ہوں آگ کی حاجت نہیں
ہو کوئی بدخواہ تو پھر سانپ کی حاجت نہیں

ہو اگر حاصل کمالِ شاعری انسان کو
فخرِ عالم ہے وہی انساں ہوں جس میں یہ صفات
دوسروں پہ رحم کھائے جاہلوں سے ہو نفور
راستی گو دانش وروں میں دشمنوں میں پُرغضب

درحقیقت نیک انسانوں میں شامل ہے وہی
نیک صحبت سے پہنچتے ہیں بہت کچھ فائدے
عزت و حرمت بڑھائے ہر الم کو کم کرے
نیک نامی اور شہرت کو بڑھائے ہر طرف
ایسے شاعر جن کو حاصل واقفیت ہو کمال

ہالیہ ادکیت بھیانک دی نقش رورو شانتی
جو سخن ور نیک نامی کا یہاں حق دار ہے
بیوی باعصمت ملے فرزند ہو نیکو خصال
صاف دل ہوں سب اقارب شکل بھی بجیب ہو
نعمتیں یہ جمع ہو جائیں اگر یک جا کہیں
جان جو رکھتا ہو اس کے قتل سے کرنا حذر
بولنا سچ اور دینا مستحق لوگوں کو دان

علم ہی سے قالب انسانیت میں جان ہے
غصہ غالب ہو تو دشمن سب سے بڑھکر ہے وہی
دوستوں سے بڑھ کے کوئی دارُوئے صحت نہیں
علم کی دولت سے بڑھ کر کوئی بھی دولت نہیں
بادشاہت کا اسے پھر کس لیے ارمان ہو
سب عزیزوں آشناؤں سے کرے میٹھی ہی بات
میل درویشوں سے ہو دانا ہو راجہ کے حضور
عورتوں پر تو وہ غالب ہو، بڑوں میں باادب
قدر پاتا ہے وہی عزت کے قابل ہے وہی
دُور کج فہمی کو رکھے، صدق کو پیدا کرے
دل کو راحت دے خوشی دے رنج و غم کو کم کرے
صحبتِ نیکاں کو سمجھے باعثِ عز و شرف
نورس و سنگار و سیر و کرنا سے بے قیل و قال

جانتے ہوں اس طرح دُنیا ہو جس کو مانتی
اُس کو کچھ کھٹکا اجل کا ہے نہ ہے مرنے کا بھے
خود بھی وہ فیاض ہو، احباب ہوں صادق مقال
صاحبِ علم و عمل ہو، زندگی بے عیب ہو
اس بشر کی خوش نصیبی میں ذرا بھی شک نہیں
جی نہ للچائے کبھی دولت پرائی دیکھ کر
غیر کی عورت کا ذکر آئے تو رکھنا بند کان

(باقی پھر)

فرمان الاولیا

قسط دوم

فرمان حضرت حسن بصری صاحب رح

مترجم حکیم رسیلا اس جی مضطر

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک خط لکھا۔ اور کہا کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے۔ کہ جسے ہمیشہ یاد رکھوں اور اسے اپنے ایمان کا جزو بنا لوں...... آپ نے فرمایا۔ کہ اگر خدا تیرے ساتھ ہے۔ تو پھر کیوں ڈرتا ہے؟ اور اگر خدا تیرے ساتھ نہیں تو پھر کس سے اُمید رکھتا ہے!....... مطلب۔ درحقیقت خدا ہر ایک کے ساتھ ہے۔ کسی بھی وقت کسی سے جُدا نہیں۔ لیکن یہاں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان ہر وقت اور ہر جگہ یہ یقین رکھے کہ وہ ذاتِ واحد ہر وقت اور ہر جگہ میرے ساتھ ہے۔ جب کوئی نیک بخت انسان اس یقین کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ کہ خداوند کریم ہر جگہ میرے ساتھ ہے۔ اور ہر وقت میرا نگہبان ہے۔ تو وہ شخص کسی سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس بات پہ یقین رکھتا ہے کہ ۔

دشمن اگر قوی است۔ نگہبان قوی تر است

یعنی اگر مارنے والا دشمن طاقت ور ہے تو بچانے والا نگہبان یا (محافظ) بہت زیادہ طاقت ور ہے اس بچانے والے کے آگے مارنے والے کی طاقت کچھ معنی نہیں رکھتی۔...... اور جو دوسری نصیحت آپ نے فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کوئی انسان جہالت کی وجہ سے یہ یقین

رکھتا ہے۔ کہ خداوند کریم میرے ساتھ نہیں (جو فقط جہالت کا کلمہ ہے) تو ایسے جاہل شخص کو کسی انسان سے کوئی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ کوئی بھی انسان کسی بھی انسان کی مدد نہیں کر سکتا جب تک کہ خداوند کریم کا فضل شامل حال نہ ہو۔ یہ عین حقیقت ہے۔ اور آں حضرت نے اس حقیقت کے ماتحت تمام دنیاداروں کو یہی نصیحت فرمائی ہے۔ کہ ہر وقت خدا کو اپنے ساتھ سمجھیں۔ اور ہر گھڑی اُس کو اپنا نگہبان حقیقی تصور کریں۔ اور صرف ایک خداوند کریم کی ذات اقدس پر بھروسہ رکھیں۔ خداوند کریم ہم سب کو اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق بخشیں۔

• ایک وقت آپ نے عمر بن عبدالعزیزؓ کو خط لکھا۔ کہ "اس دن کو سمجھ لو جب مرنا ہوگا۔"

مطلب...... اگر چشم دل سے پڑھا جائے۔ اور سکونِ قلب اور سکونِ دماغ کی روشنی میں سوچا جائے۔ تو اس ایک فقرہ "اس دن کو سمجھ لو کہ جب مرنا ہوگا" میں سب روحانی رموز آجاتے ہیں۔ جو شخص ہر وقت اپنی موت کو یاد رکھتا ہے۔ اور یہ یقین رکھتا ہے۔ کہ موت کی تلوار ننگے سوت کے ساتھ میرے سر پر لٹک رہی ہے۔ نہ معلوم یہ کچا سُوت کب اور کس جگہ ٹوٹے (یعنی وطن یا بے وطنی میں) اور موت کی تلوار سر پر گر کر زندگی کا خاتمہ کر دے۔ خلاصہ یہ۔ کہ جو شخص ہر وقت موت کو یاد رکھتا ہے۔ تو لازمی طور پر وہ کوئی بھی ایسا کام کرنے سے گریز کرے گا۔ کہ جس کی وجہ سے عاقبت میں اُس کی رُسوائی ہو۔ ایسا انسان اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے۔ کہ اس دُنیائے فانی میں جس بھی ناجائز طریقہ سے دولت پیدا کروں گا۔ اس نے تو میرا ساتھ نہیں دینا۔ لیکن ناجائز افعال کی جو سزا ہوگی۔ وہ مجھے بھگتنی پڑے گی۔ اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتا ہے۔ کہ جن لواحقین یا پسماندگان کے لئے میں ناجائز کام کرکے زمین مکان یا جائیداد چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یا جاؤں گا۔ تو ان رشتہ داروں۔ لواحقین یا پسماندگان میں سے کوئی بھی عاقبت میں میرے ساتھ نہیں ہوگا۔ یہ میرے تمام متعلقدار یہاں ہی رہ جائینگے۔ لیکن ان افعال بد کی سزا کے لئے صرف میری اکیلی جان ہی ہوگی۔ اس دنیائے فانی میں میری ناجائز کمائی سے میرے متعلقدار تو عیش کی زندگی بسر کرینگے۔ اور میری روح وہاں عاقبت میں سزا سے تڑپتی ہوگی۔ تو جب ایک سمجھدار انسان حضرت موصوف کے مذکورہ قول پر صدق دل سے غور کرتا ہے۔ تو اپنے آپ کو افعال بد سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوتا ہے۔ کہ اے میرے مالک و خالق تو میری حالت پر رحم فرما۔ کیونکہ تیری رحمت کے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر پاتا۔ جب تک تیری رحمت شامل حال نہ ہو۔ نہ تو گناہوں سے بچ سکتا ہوں۔ اور نہ ہی کوئی نیک کام کر سکتا ہوں۔ ...... پس اے سخی میرے حال پر رحم فرما اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے۔

● ایک دفعہ ثابت بنانی رح نے حضرت حسن بصریؒ کو خط لکھا۔ کہ میں سنتا ہوں۔ کہ آپ حج کو جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ کے ساتھ چلوں" آپ نے جواب دیا کہ یہ خیال چھوڑ دو تاکہ ہم اللہ تعالےٰ کے راز میں زندگی بسر کر سکیں۔ کیونکہ اکٹھے ہونے سے ایک دوسرے کے عیب معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو برا سمجھنے لگتے ہیں۔

مطلب یہ کہ اہل اللہ گوشہ نشینی پسند فرماتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ گوشہ نشین انسان کو جس قدر جلد سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ اتنا جلدی اہل دنیا کے ساتھ رہ کر حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اہل دنیا کی صحبت تو سکون قلب کے لئے زہر قاتل کا کام کرتی ہے۔

یہ تو اہل دنیا کی بات ہوئی۔ مگر اللہ والے تو حقالامکان جہاں خود گوشہ نشین رہتے ہیں، وہاں وہ اپنے احبابوں کو بھی نصیحت فرماتے ہیں، کہ گوشہ نشینی بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت موصوف نے حضرت ثابت بنانی رح کے خط کے جواب میں لکھا۔ گویا انہوں نے گوشہ نشینی کو ہی دل کی صفائی کے لیے بہتر سمجھتے ہوئے فرمایا۔ کہ کسی کے ساتھ رہنے میں۔ اگر اس میں کوئی برائی نظر آئے۔ تو وہ دوسرے انسان کے دل کو بھی برا بنا سکتی ہے۔ کیونکہ کسی کو برا سمجھنا خود برائی میں شامل ہے۔ اور اہل اللہ تو ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کہ ان کا دل کدورت سے پاک وصاف رہے۔ کیونکہ جونہی آئینۂ دل پر غبار و کدورت آیا۔ اور انسان دیدارِ الٰہی سے محروم ہُوا۔

گوشہ نشینی میں انسان کو جہاں روحانی فیض حاصل ہوتا ہے۔ وہاں وہ دنیاوی عالات سے بھی بہت حد تک محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے فرمایا ہے کہ ؎

ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را

یعنی کوئی بھی مصیبت نہیں پہنچتی گوشہ نشین انسان کو ــــــ خلاصہ یہ کہ اہل اللہ لوگ بہ نسبت جلوت کے خلوت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ تنہائی روحانی سفر میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

● حضرت مالک بن دینار رح نے فرمایا۔ کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے یہ پوچھا۔ کہ عالم کا عذاب کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ دل کا مر جانا۔ میں نے کہا۔ دل کا مر جانا کیا ہے؟ فرمایا۔ دنیا کی محبت۔

مطلب یہ کہ اہل اللہ بزرگوں کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک کلام میں وہ صداقت ہوتی ہے جیسا کہ دریا کو کوزہ میں بند کر کے ایک قطرہ میں گویا گیا ہے۔

حضرت موصوف کا یہ فرمان کہ عالم کے دل کا مرنا دنیا کی محبت ہے ایک ایسی حقیقت ہے۔ جو لاثانی ہے۔ واقعی ایک عالم شخص اگر اپنے دل میں دنیا کی محبت رکھتا ہے تو وہ صرف عالم ہی ہے۔ مگر جب تک علم کے ساتھ عمل نہ ہو۔ علم کا ہونا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ علم حاصل

کرنے کا فائدہ تو تب ہی ہے جب کہ علم کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ اور اہل اللہ فرماتے ہیں۔ کہ علم حقیقی وہ ہے کہ جس سے خود شناسی ہو۔ باقی جس قدر بھی علوم وفنون ہیں وہ دنیاوی نقطۂ نگاہ سے تو شاید کچھ معنی رکھتے ہوں۔ مگر روحانی نقطۂ نگاہ سے اِن تمام علوم کی کچھ اہمیت نہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عالم وہ ہے۔ جو خود شناسی کے لئے کوشاں ہے۔ اور خود شناسی میں وہی شخص کامیاب رہے گا۔ جو اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دے گا۔ یہ بات تو بالکل اور قطعی ناممکن ہے۔ کہ کوئی انسان خود شناسی میں بھی کامیاب ہونے کی کوشش کرے۔ اور دل میں دُنیا کی محبت بھی قائم رکھے۔ دل ایک ہے۔ اس میں ایک ہی چیز رہ سکتی ہے۔ یا تو خود شناسی کی طلب۔ یا دُنیا کی طلب ایک صاحب دل کا فرمان ہے کہ

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دوں ؎ ایں خیال است ومحال است وجنوں

یعنی۔ اے انسان۔ تو خدا کو بھی چاہتا ہے اور دنیا کو بھی۔ لیکن یہ تیری خام خیالی ہے دونوں میں کامیابی کا ہونا محال ہے۔

پس ثابت ہوا۔ کہ ایک صادق عالم کے لئے یہی روا ہے۔ کہ وہ اپنے دل میں دُنیا کی محبت نہ گھسنے دے سطحی طور پر دنیا داری کے کام کرتا ہوا بھی اندرونی طور پر ان سے بے نیاز رہے۔"

جنتا جناردن کے رُوپ میں

پرماتما کے درشن

۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو نئی دہلی میں ہوئی پریس کانفرنس کے دوران ایک نامہ نگار نے بھارت کے نئے پردھان منتری شری مُرار جی ڈیسائی سے پرشن کیا کہ پردھان منتری کے عہدہ پر فائز ہو جانے سے کیا اُنکی زندگی کا نصب العین حاصل ہو گیا ہے؟ تو اُنہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ میرے جیون کا آدرش بھارت کا پردھان منتری بننا کبھی نہیں رہا میری لگن تو پرماتما کی طرف ہے اور آخری دم تک اُسی طرف لگی رہے گی۔" اُسی دن شام کو رام لیلا میدان میں جنتا پارٹی کے عظیم الشان جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا:۔

میں نے پرماتما کے درشن نہیں کئے لیکن میں یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس جنتا جناردن کے رُوپ میں مجھے اُس کی جھلک پرتیکش دکھائی دیتی ہے۔"

خدا سے ملنے کا ذریعہ

از ڈاکٹر سید آصف علی مراد آبادی

آج سائنس کی ترقی کا دور ہے اور انسان چاند اور ستاروں تک رابطہ قائم کئے ہوئے ہے لیکن ابھی تک چاند یا کسی ایسے ستارے پر جہاں انسان کی عقل پہنچ چکی ہے زندگی کے آثار نہیں ملے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ (پرم پتا پرمیشور) نے ہماری زمین کو جو عزت بخشی ہے۔ اس کا جواب کسی دوسرے ستارے پر ابتک نہیں ملا ہے سائنس کی یہ تحقیق اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ کہ قدرت نے انسانوں کو سب سے اعلیٰ و افضل بنا کر دنیا میں بھیجا ہے لیکن ہم انسان خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے خدا کی بنائی مخلوق پر طرح طرح کے ظلم کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور مذہب دھرم کے نام پر اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی دو کانیں سجا کر بیٹھے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مذہب کی آڑ میں ایک دوسرے پر نکتہ چینی کر کے اپنے ذاتی فائدے کے لئے انسانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ جبکہ دنیا کے ہر انسان کو انسان سے محبت کرنی چاہیئے۔ اسی میں خدا کی رضا ہے۔

خدا کی نظر میں سب برابر ہیں

خداوند کریم نے انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں دنیا کی ہر چیز پر ملکہ حاصل کرنے کے لئے عقل سلیم عطا کی اور نا چیز ہٹی سے اناج اگا کر ان کے لئے غذا مہیا کی اور سب لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور ان نوازشوں کے لئے خدا نے کسی خاص مذہب یا قوم کو نہیں چنا بلکہ ان لوگوں کو بھی یہ مراعات دیں جو اس کی ذات سے منکر ہیں۔ اور خدا کے وجود کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب مالک کائنات کسی کو گری ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتا تو ہم کو کیا حق ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مذہب اور قوم پر نکتہ چینی کریں اور دوسروں کے مذہب پر کیچڑ اچھالیں جس دن ہم اپنے آپ میں یہ بات پیدا کر لیں۔ کہ سب خدا کے بندے ہیں۔ اور جس طرح خدا سب سے پیار کرتا ہے اسی طرح ہم بھی بغیر مذہب و ملت خدا کی بنائی مخلوق سے پیار کریں تو اس دن ہمیں خدا مل جائے گا۔ اور جو لوگ خدا کی مخلوق سے پیار کرتے ہیں خدا ان سے پیار کرتا ہے خدا کو حاصل کرنے اور پانے کا واحد ذریعہ اس کے بندوں سے محبت ہے —

کر بھلائی تو بھلائی میں ملے گا رب تجھے
سب کو تو اپنا بنا اپنا کہیں گے سب تجھے
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارو مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا۔

بھگوان کب آتے ہیں؟

از بھگت لچھمنداس جی تبسمؔ

گھٹائیں آسماں پر بجلیوں سے کام لیتی ہوں
سندیسہ حق فروشی اور ریاکاری کا دیتی ہوں

شرر اجگر اگلنے کی ہو قدرت جب فضاؤں میں
بلائیں پرورش پاتی ہوں اعدا کی نگاہوں میں

حقارت اور تنفر سے خدا کا نام لیتے ہوں
جنونِ فرقہ بندی پر ہزاروں روز مرتے ہوں

جہاں انسانیت کے بھیس میں شیطان رہتے ہوں
جہاں شیطان صفت انساں کو انساں کہتے ہوں

جہاں شیرازۂ تہذیب پل بھر میں بکھر جائے
جہاں مہر و محبت کا جنازہ ہی نکل جائے

جہاں سکہ فریب و مکر و خونخواری کا چلتا ہو
جہاں محفل کا قتل و خون سے ہی رنگ جمتا ہو

جہاں کلیاں شگفتہ ہونے پر بیمار ہو جائیں!
جہاں غنچے بھی رنگ و بو کو پا کر خار ہو جائیں

جہاں بحرِ گناہ گاری تلاطم خیز رہتا ہو
جہاں ظلم و ستم گاری کا دِل پہروں بہلتا ہو

فلک پر گونجتی ہیں جب صدائیں بے نواؤں کی
خدا کو ڈھونڈتی ہیں جب دعائیں بے نواؤں کی

غم و آلام سے ساغر جونہی لبریز ہوتا ہے
خدائی جاگ اُٹھتی ہے خدا کو جوش آتا ہے

نرالی قوتِ اعجاز سے بھگوان آتے ہیں
تبسمؔ ریز جلووں میں کرشمے وہ دکھاتے ہیں



ایک غور طلب مقالہ

پاگل خانہ کی سیر

از شری کانشی رام جی چاولہ لدھیانہ

ایک دفعہ مجھے اپنے ایک عزیز کے ساتھ پاگل خانہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس عزیز کو کچھ وہم سا ہونے لگ گیا تھا۔ اور دوستوں نے مشورہ دیا کہ یہ بھی ایک دماغی مرض ہے اس لئے پاگل خانہ کے ڈاکٹر سے مشورہ لے لینا چاہیئے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ کر اُن سے پہلے ہی وقت لے لیا گیا۔ کچھ اُن سے پہلے کی واقفیت بھی تھی۔ وقت مقررہ پر ہم وہاں پہنچ گئے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کر کے کچھ سوالات مریض سے پوچھ کر ایک نسخہ لکھ دیا۔ اور کچھ زبانی ہدایات بھی دے دیں۔

جب ہم ڈاکٹر صاحب سے اجازت لے کر اُٹھنے لگے۔ تو۔ اُنہوں نے مجھے کہا۔ کہ "اس مریض کو تو یہیں بیٹھنے دو۔ اور تم ذرا پاگل خانہ کی سیر کر آؤ۔"

میں نے بھی اُن کی تجویز کو پسند کیا۔ اُنہوں نے ایک آدمی ساتھ دے دیا۔ اور وہ مجھے اندر لے گیا۔ راستہ میں اُس نے مجھ سے کہا۔ آپ کسی پاگل کو کچھ کہیں نہیں۔ کئی پاگل کئی قسم کی باتیں کریں گے آپ چپ چاپ سنتے جائیں۔ یا زیادہ سے زیادہ سر ہلا دیں۔ بس! اس سے زیادہ کچھ نہ کریں نہ کچھ کہیں۔

چنانچہ جب ہم پاگلوں کے دائرہ میں پہنچ گئے۔ تو واقعی وہ ایک عجیب نظارہ تھا۔ چند ایک پاگلوں نے جو کچھ اُس وقت کیا۔ یا کہا۔ وہ دیکھ کر اور سُن کر افسوس بھی آتا ہے اور ہنسی بھی۔ ذرا آپ بھی سنیئے۔

ایک پاگل بھاگا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ کہ میں ساری دُنیا کا مالک ہوں۔ سب جگہ میرا حکم چلتا ہے۔ میرے حکم سے اگر کوئی سر پھیرے۔ تو اس کو اِس دُنیا میں رہنے ہی نہ دوں ——؟ یہ سُن کر میں نے اپنے ساتھی کی ہدایت کے مطابق سر ہلا دیا۔

——— ایک دوسرا پاگل آیا۔ اور اپنی جیب کو ہاتھ لگا کر کہنے لگا: یہ پونڈوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اتنے پونڈوں سے میرا کیا بنتا ہے؟ میں نے تو ایک کوٹھا پونڈوں سے بھرنا ہے" ——— اس کے سامنے بھی ہم نے سر ہلایا اور آگے نکل گئے۔

ایک اور پاگل آیا۔ اور اپنے کپڑے دکھا کر کہنے لگا۔ "کیا کسی کے پاس اتنے قیمتی کپڑے بھی ہیں؟ میں نے باہر کے ملکوں سے اور بھی بے شمار سوٹ منگوائے ہیں"

ایک اور پاگل آیا۔ ایک پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس میں پیشاب کیا۔ اور خود ہی اُسے

بل گیا۔
اُسے دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہُوا۔ لیکن میرا ساتھی کہنے لگا:۔ "کئی تو اس سے بھی زیادہ گندی حرکتیں کرتے ہیں"۔ ایک اور پاگل آیا۔ وہ بولا:۔ "میں کیکر سنگھ پہلوان ہوں۔ گاما کو میں نے ہی گرایا تھا۔ گونگا پہلوان میرا ہی شاگرد تھا۔ میرے سامنے کوئی دم والا پہلوان بھی دم نہیں مار سکتا۔ کنگ کانگ کو بھی میں کچھ نہیں سمجھتا"۔ آگے ایک اور پاگل بیٹھا روئے جاتا تھا۔ ہم پاس سے گزرے تو کہنے لگا:۔ "میرے پیسے گُم ہو گئے ہیں۔ ملتے ہی نہیں۔ میں یہاں سے ہلوں گا نہیں جب تک وہ مل نہ جائینگے"۔ حالانکہ کھوتا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس سے آگے ایک اور پاگل کو دیکھا۔ وہ مٹی سے کھیل رہا تھا۔ مٹی کا گھر سا بناتا تھا۔ مٹی کھسک جاتی۔ اُس کا بنایا ہُوا ڈھانچہ ہل کر نیچے گر جاتا۔ اور وہ رونے لگتا۔

ایک اور پاگل کے پاس سے ایک اور آدمی نکل رہا تھا۔ پاگل اُس کا دامن پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور بولا:۔ "مجھے اس جگہ سے باہر نکال دو۔ سوائے تمہارے کوئی نہیں نکال سکتا"۔ وہ آدمی بھی بڑا ہوشیار تھا۔ کہنے لگا:۔ "اپنا کُرتہ اُتار کر دے دو۔ تب میں تمہارے یہاں سے نکلنے کا انتظام کروں گا"۔

پاگل نے جھٹ اپنا کُرتہ اُتار دیا۔ اور وہ آدمی کُرتہ لے کر آگے چلتا بنا۔ اور پیچھا چھڑا لیا۔ اور اُس کی تسلی بھی کر دی۔ اسی طرح اور کئی پاگل دیکھے جو کہ عجیب حرکات کر رہے تھے۔ بعض کو دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ اور بعض کو دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔

پاگل تو بے شمار تھے۔ آدمی کس کس کو دیکھے۔ وقت کافی ہو چکا تھا۔ اس لئے واپس آ کر ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے عزیز کو ساتھ لیکر گھر واپس چلا آیا۔

رات کو جب بستر پر لیٹا تو ان پاگلوں کی یاد رہ رہ کر آ رہی تھی۔

ایک دم خیال آیا کہ اِن پاگلوں کی یہ حرکات یاد کر کے حیران ہو رہے ہو۔ لیکن کیا یہ ساری دُنیا ہی ایک پاگل خانہ نہیں ہے۔ کیا اِس دُنیا کے رہنے والوں کی حرکتیں اِن سے بھی زیادہ حیران کُن نہیں۔ اور ہنسی کا موضوع نہیں؟

یہ خیال آتے ہی مختلف لوگوں کے حالات کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ جن میں سے کچھ ایک کا بیان کرنا خالی از لطف نہ ہوگا۔

۱۔ جب کونسلوں یا کمیٹیوں کے انتخاب آتے ہیں۔ سینکڑوں لوگ اُن کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ہزاروں ہی روپے خرچ کرتے ہیں۔ در در پر جا کر گڑگڑاتے ہیں۔ اپنے حریفوں کی بُرائی کرتے ہیں۔ اُن کے عیوب اور نقائص کو پوسٹروں اور اخباروں کے ذریعے عیاں کرتے ہیں اپنی بڑائی

عجیب حرکات کر رہے تھے۔ بعض کو دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ اور بعض کو دیکھ کر افسوس ہوتا تھا پاگل تو بے شمار تھے۔ آدمی کس کس کو دیکھے۔ وقت کافی ہو چکا تھا۔ اس لیئے واپس آ کر ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے عزیز کو ساتھ لیکر گھر واپس چلا آیا۔

رات کو جب بستر پر لیٹا۔ تو ان پاگلوں کی یاد رہ رہ کر آ رہی تھی۔ ایک دم خیال آیا کہ ان پاگلوں کی یہ حرکات یاد کر کے حیران ہو رہے ہو۔ لیکن کیا یہ ساری دُنیا ہی ایک پاگل خانہ نہیں کیا۔ کیا اس دُنیا کے رہنے والوں کی حرکتیں اس سے بھی زیادہ حیران کن نہیں۔ اور ہنسی کا موضوع نہیں؟

یہ خیال آتے ہی مختلف لوگوں کے حالات کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ جن میں سے کچھ ایک کا بیان کرنا خالی از لطف نہ ہوگا۔

۱۔ جب کونسلوں یا کمیٹیوں کے انتخاب آتے ہیں۔ سینکڑوں لوگ اُن کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں ہی روپے خرچ کرتے ہیں۔ در در پر جا کر گڑگڑاتے ہیں۔ اپنے حریفوں کی بُرائی کرتے ہیں۔ اُن کے عیوب۔ اور نقائص کو پوسٹروں اور اخباروں کے ذریعے عیاں کرتے ہیں۔ اپنی بڑائی کے متعلق بے شمار جھوٹ بولتے ہیں۔ لوگوں کو شرابیں پلاتے ہیں۔ روپے دیتے ہیں۔ باہمی شکر رنجیاں پیدا کرتے ہیں۔ راتوں جاگتے ہیں۔ بھاگ بھاگ کر وہ بے حال ہوتے ہیں۔ کئی کئی تو قرض دار ہو جاتے ہیں — ان میں سے آخر کامیاب تو ایک ہی ہوتا ہے باقیوں میں سے بعض کی تو ضمانتیں بھی ضبط ہو جاتی ہیں — پھر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں — مجھے تو یہ بھی ایک اسی قسم کا نظارہ دکھائی دیتا ہے جو میں نے پاگل خانہ میں دیکھا تھا —

۲۔ بہت سے لوگوں کے پاس کافی سے زیادہ دولت ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ مارے مارے پھرتے ہیں غلط بے ایمانی کر کے اپنے دھرم کا تیاگ کر دیتے ہیں۔ اپنا سکھ اور آرام قربان کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان غلط کاریوں کی وجہ سے قانون کی زد سے بچنے کے لیئے کئی کئی بھی کھاتے پھرتے ہیں۔ رشوت دیتے ہیں۔ آرام کی نیند سو بھی نہیں سکتے۔ بعض دفعہ قانونی شکنجہ میں جکڑے جا کر داروغہ جیل کی نگرانی میں جا پہنچتے ہیں — ان کو آپ کیا کہیں گے؟

۳۔ کئی لوگ جہاں بھی گیروے کپڑے والا یا کوئی عجیب سا لباس پہنے ہوئے آدمی دیکھیں گے۔ اُسے گورو بنا لیں گے۔ اُس کے پاؤں پر ماتھا رگڑ رگڑ کر اس سے اس دُنیا سے تارنے کی پرارتھنا کریں گے — وہ لوگ بھی ایسے آدمیوں کی سادگی سادہ لوحی۔ اور جہالت کا ناجائز فایدہ اُٹھا کر اُن کا مال اُڑائیں گے۔ ان کے کپڑے اُتروائیں گے۔ اور بعض دفعہ تو گھروں میں شرمناک بداعمالیاں بھی کر جائینگے۔

ایسے لوگوں کو ہم کیا سمجھیں؟

۴۔ الٹی غلیظ۔ مجذوب آدمی آوارہ پھر رہے ہوتے ہیں۔ کئی لوگ اُن کو پہنچا" ہوا کہہ کر اُن کے پیچھے پڑے

پر گر گر اُن سے وڑے کا نمبر پوچھیں گے۔ سٹے کا بھی مشورہ کریں گے۔ اُنہیں حلوا پوڑی اور پکوان کھلائیں گے!
اُن کو کیا سمجھنا چاہیئے ؟

(۵)۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں خاص خاص لڑکے لڑکیوں پر مفتوں ہو کر اپنا سارا کاروبار۔ اپنی تعلیم وغیرہ چھوڑ کر اُن کے پیچھے بھاگیں گے۔ زر و مال بھی لٹائیں گے۔ اگر کامیابی نہ ہو۔ تو ریل گاڑی کے نیچے سر رکھ کر یا کسی اور طرح سے اپنی قیمتی جان کھو دینگے۔
آپ بتائیں کہ اِن کا نام کس فہرست میں لکھا جائے ؟

(۶)۔ گھر میں خوبصورت۔ نیک چلن اور عقلمند بیوی ہے۔ اُس سے بچے بھی ہو چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی کئی لوگ جہاں تہاں جھک مارنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ بدنام ہوں گے ذلیل و خوار بھی ہونگے۔ قانون کی گرفت میں آئینگے۔ سزا بھگتیں گے۔
کیا یہ لوگ ان پاگلوں سے کم ہیں ؟

(۷)۔ اکثر لوگوں کے پاس کافی کپڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں کسی دوکان پر یا کسی کو پہنے ہوئے نئی قسم کا کپڑا دیکھا رال ٹپک آئی۔ دل بے چین ہو اُٹھا۔ جیسے کیسے ڈھونڈ کر وہ کپڑا تلاش کر کے سوٹ سلائیں گے۔ اسی طرح سے اور بیسیوں کپڑے سلا کر ٹرنکوں میں ہی رکھ لیں گے۔ اور پھر بے احتیاطی اور لاپرواہی سے رکھے ہوئے ان کپڑوں کو بعض دفعہ کیڑا چاٹ جائے گا۔ یا چوری ہو جائینگے۔
اب اِن لوگوں کو کس نام سے پکاریں ؟

(۸)۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں سینما دیکھنے جائیں گے۔ وہاں ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو جس قسم کا لباس پہنے ہوئے دیکھیں گے۔ خواہ وہ جسم کو کتنی ہی تکلیف دے۔ چلنے پھرنے اور بیٹھنے جھکنے میں کتنی ہی رکاوٹ پیدا کرے۔ سجے یا نہ سجے؟۔ یا سینما میں جس قسم کے بال بنائے ہوئے دیکھیں گے۔ ویسے ہی باہر آ کر بنائیں گے۔ خواہ وہ اُن کے چہرے پر سجیں یا نہ سجیں۔ اور خواہ کتنا ہی قیمتی وقت اُن کے بنانے میں ضائع کرنا پڑے۔
بتایئے ایسے لوگوں کو کس قطار میں رکھیں ——— ؟

(۹)۔ ایک دوست کے ہاں تین لڑکیاں ہو گئیں۔ میں نے اس سے کہا۔
پیارے آجکل لڑکیوں کے متعلق ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے اور کچھ "مزائی" قسم کی بن گئی ہے اب تم صبر کرو"۔ لیکن ان میاں بیوی کو یہ خبط سمایا ہوا تھا۔ کہ ایک لڑکا ضرور ہو جائے۔ لیکن اس طرح یکے بعد دیگرے آٹھ لڑکیاں ہو گئیں۔ لڑکا پھر بھی کوئی نہ ہوا۔ ان میں سے چار قابل شادی ہو چکی ہیں۔ صرف ایک کی شادی کی ہے۔ اسی کا ہی اتنا خرچ آیا ہے۔ اور اُس کی اتنی تکلیف ہوئی ہے کہ اب بیٹھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں۔ بولیئے! ہم ایسے لوگوں کو کیا کہہ کر یاد کریں ؟

(۱۰) کئی لوگ جب صاحب اختیار اور اقتدار بن جاتے ہیں تو وہ وہ کاروائیاں کرتے ہیں، کہ شیطان بھی اُن سے پناہ مانگتا ہے۔ کیکر سنگھ ہی اپنے آپ کو سمجھ کر ہر سامنے آئے کو گرانے اور پچھاڑنے کے درپے ہوتے ہیں۔ دماغ میں کیڑا سما جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں جالا آجاتا ہے۔ دائیں بائیں کہنیاں مارتے اور دولتیاں چلاتے چلے جاتے ہیں لیکن وقت آتا ہے۔ کہ حکومت کا منشہ ہاتھ سے چھین جاتا ہے۔ آکاش میں اڑتے ہوئے زمین پر اوندھے منہ آگرتے ہیں۔ گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔

فرمائیے اِن کا کس جگہ اندراج کریں؟

(۱۱)۔ دھارمک سبھاؤں اور سنستھاؤں کے عہدوں کے بھوکے فرضی ممبر اپنے مطلب کے بھرتی کرتے ہیں۔ انتخاب کے وقت ہزار داؤ پیچ کھیلتے ہیں۔ ممبروں کو اپنے حق میں رائے دینے کے لئے نہ معلوم کیا۔ جھانسے اور چکمے دیتے ہیں۔ اور اِن ہی طریقوں سے اِن دھرم سبھاؤں کے عہدہ دار اس غرض کے لئے بنتے ہیں۔ کہ دھرم اور اخلاق کا پرچار کریں گے۔ لیکن کام کچھ نہیں کرتے۔

بتلائیے اِن دوستوں کی گنتی کہاں پر ہو گی؟

(۱۲) سینما کے دلدادہ لوگ اپنے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو یا تو خود سینما میں اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں۔ یا سوتنترتا سے اُن کو دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ وہاں کے بوس وکنار کے اخلاق سوز نظاروں کے بدنا ثرات اپنے دل و دماغ میں بیٹھا کر لاتے ہیں۔ اور ان تاثرات کا اظہار باہر آکر مختلف شکلوں میں کرتے ہیں۔ تب ان کے والدین ان سے ناراض ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ ان کے وہ بچے "بے لوث رہیں۔

ایسے لوگوں کا نام کہاں لکھنا چاہئیے۔ ایسے حالات کو دیکھ کر ہی فارسی کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای   باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یعنی ان بچوں کے حالات میں سے گزرتا ہوا ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھ کو تو ایک لکڑی کے تختہ کے ساتھ جکڑ کر دریا کی منجدھار میں پھینک دیا گیا ہے۔ اور پھر مجھ سے کہا جاتا ہے کہ خبردار! اپنے آپ کو پانی سے نہ بھگو لینا۔"

(۱۳)۔ انگریزیت اور مغربیت کے دلدادہ لوگ اپنے بچوں کو عیسائیوں کے سکولوں میں پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ یا ایسے دیگر سکولوں میں جہاں کہ انگریزی تو شروع سے ہی پڑھائی جاتی ہے لیکن وہاں کے ادھیاپک یا معلم خود بھی بھارتیہ سنسکرتی اور ویدک دھرم اور آریہ دھرم کی ابجد تک سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لئے بچوں کو قدرتی طور پر دیش اور دھرم کے پیار کے متعلق کوئی تعلیم و تربیت نہ پا کر اپنے دیش اور دھرم سے کوئی لگاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اُمید یہ رکھی جاتی ہے۔ کہ ہمارے دیش واسی آگے آنے والی

نسلیں قومیت اور ایکتا کے جذبات سے سرشار ہوں۔ ایسی اُمیدوں کے لگانے والوں کو آپ جو خطاب چاہیں دیں ــــــ !

(۱۴) لوگ واشنشٹ اور ویدانت سوتروں کا پاٹھ مات کر کے ڈگ کہنے لگ جاتے ہیں:۔ اہم برہم اسمی" ــــ یعنی "میں پرماتما بن گیا ہوں۔ یا میں ہی پرماتما ہوں" ــــ اور اس طرح طریقے سے اپنے آپ کو پُورن گیانی مانتے اور سمجھتے ہیں۔ اور کہتے بھی ہیں۔ لیکن دو کوڑی کا بھی نقصان ہو جائے تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر اپنے صرف ایک روپیہ کے فایدہ کے لئے دوسروں کا سینکڑوں روپیہ کا نقصان کر دیتے ہیں۔ اور کچھ بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ دوسروں کا حق دبانا ماں کا دودھ سمجھتے ہیں۔

بھلا ایسے گیانیوں کو آپ کیا کہہ کر پکاریں گے؟

(۱۵) بلا ناغہ مندر یا گوردوارہ میں جا کر ماتھا جھکا آتے ہیں۔ اور پھر دن بھر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں تاہم اپنے آپ کو بھگت مانتے ہیں ــــ کیوں صاحب! ان بھگتوں کا شمار کہاں کیا جائے؟

(۱۶) چند روز ایک دو مالا گھما کر یا تھوڑی دیر کے لئے صبح کے وقت اپنی آنکھیں مُوند کر بیٹھ رہنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہاتماؤں سے پُوچھنے لگ جاتے ہیں۔ کہ پربھو درشن میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ وہ درشن کہ جن کے لئے جنم جنمانتر تک شردھا اور بھگتی کے ساتھ تپسیا کے کٹھن سادھن بھی کرنے پڑتے ہیں۔

ایسے اُتاولے پربھو پریمیوں کو جس صف میں آپ چاہیں رکھ لیں۔

(۱۷) کئی سجن کہتے ہیں۔ کہ جس رستہ پر میں چل رہا ہوں صرف وہی رستہ ٹھیک ہے جو سادھن میں نے اختیار کئے ہیں۔ محض وہی درست ہیں۔ جس مت کا میں پیروکار ہوں۔ محض وہی مت ہی کلیان کر سکتا ہے۔ دُوسرے لوگوں کو وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ اُن کا بس چلے تو انہیں دُنیا میں رہنے ہی نہ دیں ــــ ایسے دھرم پریمیوں کا لقب آپ کیا رکھیں گے؟

(۱۸) بعض لوگ اپنے لڑکوں کی شادی کے وقت تو منہ مانگا روپیہ اور زیور لڑکی والوں سے مانگتے ہیں لیکن اپنی لڑکی کی شادی کے وقت ودوانوں اور شاستروں کے فرمان سناتے ہیں۔

ایسے دھرم اُپدیشکوں کو کونسا درجہ دینا چاہیئے۔ یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔

مضمون لمبا ہو جانے کے خوف سے اتنے ہی بھائیوں کے درشن کرانے کافی ہونگے۔ ہیں تو اور بھی بہتیرے۔ لیکن ان کا ذکر پھر کبھی سہی اب آپ خود ہی اُنہوں کا ہی مقابلہ پاگل خانہ کے ان پاگلوں سے کریئے۔ جن کا ذکر شروع مضمون میں کیا ہے؟۔ ان دونوں میں سے کون سا بڑا ہے؟ اس امر کا فیصلہ بھی آپ خود ہی کر سکتے ہیں۔ مجھے تو ان کے پاس جب بیٹھنے کا موقعہ ہو تو پاگل خانہ کے سنتری کی

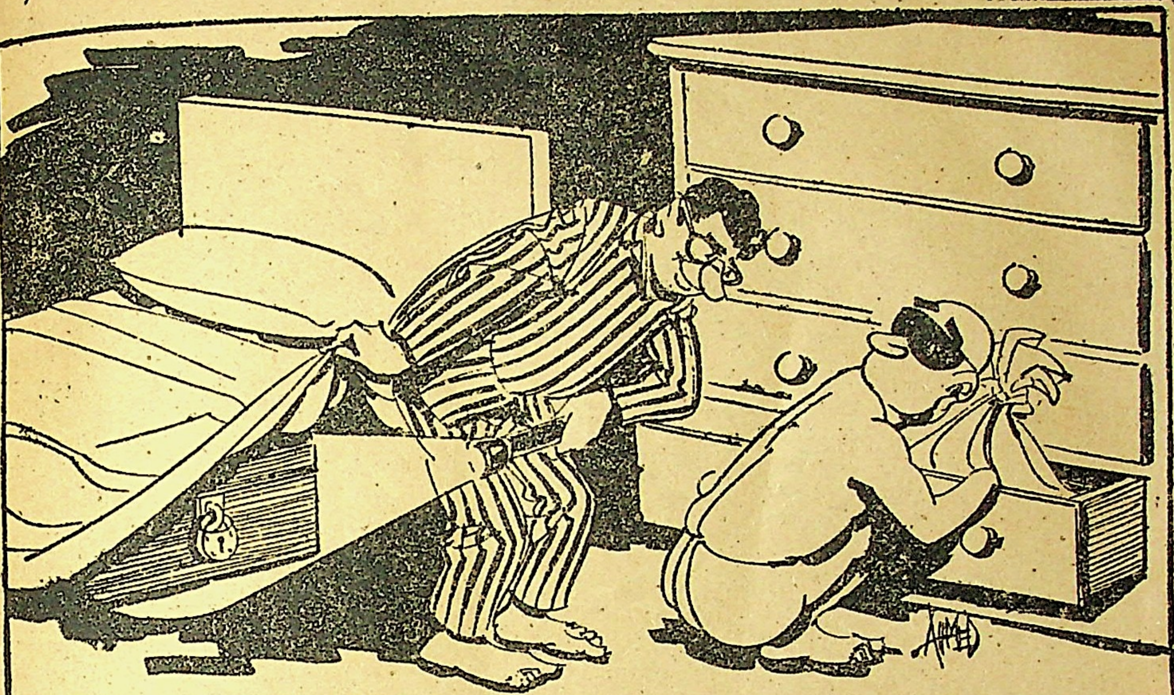
ہدایت کے مطابق زبان بند ہی رکھتا ہوں۔ اور ضرورت محسوس ہو تو صرف سرہلا چھوڑتا ہوں۔ اُن کے ساتھ کسی بحث میں نہیں پڑتا۔ ہاں بھگوان سے اُن کو سُمتی پردان کرنے کے لیے پرارتھنا کرتا ہوں۔ ہاں میں خود بھی اپنے اندر جھانکی لگا لیتا ہوں۔ کہ کہیں میں خود تو اس فہرست کی کسی مد میں شامل نہیں ہوں۔ آپ سے تو ایسا کرنے کا سجھاؤ دینے کی جرائت بھی نہیں کر سکتا۔ آپ اپنی مرضی آپ دیکھیں۔ ادم شم۔

کوی کرشن چندر۔ روی

بھگتی انک پر وچار

بھگتی کا انک پڑھ کر جاگی روی امنگیں
ہے ادم نام پیارا بھو پار کرنے والہ
کتنا بڑا ہے سُندر یہ ادم کا رسالہ
بھگتی کا انک پڑھ کر من شانتی ملی ہے
ہیں کھول کر بتائے بھگتی کے راز سارے
جو ادم کے ہیں لیکھک سب ہیں بڑے گیانی
بھگتی سے بھاگ جائیں دل جو ذرا لگائے
ہیں نندہ جی کا دل سے دھنواد کر رہا ہوں
ہیں ادم کا رسالہ نندہ چلانے والے
بیٹھے بٹھائے گھر میں پرچار کر رہے ہیں
رشیوں کی جو ہیں باتیں سب سے بڑی پرانی
پیروں فقیروں کی بھی لکھتے ہیں سب کہانی
ہندو ہو یا کہ مسلم سکھ ہو عیسائی جینی
کوئی بھی ہو گا مذہب ان کو نہیں پرایا
جو لیکھ چاؤ لے کے کتنے لگیں یہ پیارے
جو لوگ تا نندہ کرتا لکھتے ہیں پیاری پیاری
جو ادم کا رسالہ بھگتی ہمیں سکھائے
سچا دھرم سناتن مارگ ہمیں دکھاتا
لیکھک کوی جو سارے پرنام ہو روی کا

لکھتا ہوں اپنے دل کی جو بھی اُٹھی ترنگیں
دِل کے شوالے میں ہے اُجیار کرنے والہ
چُن چُن کے بھگت گاتھا ہر ماہ پرو دے مالا
ہر ایک بھگت گاتھا کتنی بھلی بھلی ہے
آنکھوں میں پھر رہے ہیں بھگتوں کے سب نظارے
بھگوان ان کی کرنا لمبی تو زندگانی!
بھگوان سامنے ہے اپنا اُسے بنا لے
کتنے بھلے ہیں لیکھک دِل یاد کر رہا ہوں
ترتیب دینے والے اسکو سجانے والے
راہِ عدم کا رستہ ہموار کر رہے ہیں
گیتا کا گیان سچا ویدوں کی جو ہے وانی
لکھتے ہیں رام گاتھا سُندر بڑی سہانی
سنگم ہے اِنکے دِل میں جیوں ملا ہے تروینی
دِل سے کہیں یہ ساری بھگوان کی ہے مایا
ہیں بار بار پڑھتے دُنیا کے لوگ سارے
بوڑھے بڑھے اسکو سارے پڑھتے ہیں باری باری
بوڑھا ہمیں بنائے مکتی کا راہ دِکھائے
جو یوگ کا ہے سادھن پورا ہمیں سکھاتا
کل کا نہیں بھروسہ بندے کی زندگی



کیا آپ چور کو اپنی نجی سمپتی چوری کرنے دینگے؟

بھارتیہ ریلیں آپ کی سمپتی ہیں۔ ریلوں پر چرائے گئے سامان کو فروخت کر کے چور جتنا پیسہ حاصل کرتا ہے۔ ریلوں کو اسی سامان کے بدلنے کے لئے اس سے دس گنا خرچ کرنا پڑتا ہے۔

اتر ریلوے پر لاکھوں روپے کی قیمت کا سامان چوری ہوتا ہے یہ لاکھوں روپے آپکی ہی جیب سے جاتے ہیں۔ کیونکہ ریلوں کو چلانے کی لاگت اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔

جہاں کہیں بھی اس طرح کی وارداتیں ہو رہی ہوں۔ اُن کی روک تھام صرف ریلوے مسافر ہی کر سکتے ہیں۔

اُتر ریلوے



R.O-46 7.3.77

جاگو اور جگاؤ

جب دیپک جگ اُٹھتا ہے تب وہ خود ہی روشن نہیں ہوتا بلکہ اپنے چاروں طرف اُجالا پھیلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جس کو آتم گیان پراپت ہو گیا ہے، وہ پھول کی خوشبو کی مانند اپنی روشنی ہر طرف لُٹانے لگتا ہے۔ کسی غرض یا مطلب براری کیلئے نہیں بلکہ اُس کا سوبھاؤ ہی اپنے دھن کو بانٹنا ہوتا ہے۔ وہ جلد ہی مکت ہو کر دوسروں کو بھی مکتی دان کرتا ہے۔ یعنی اُنہیں آتم گیان دے کر اُن کے بندھن کا وہم ہٹا دیتا ہے۔ وہ اپنے سارے وجود میں پوری طرح کھل کر دوسروں کو بھی کھلا دیتا ہے۔ اُس کا جیون سنسار میں بہار لاتا ہوا اُسے سورگ بنا دیتا ہے خود جاگنا اور دوسروں کو جگانا لازم ملزوم ہیں۔

اس لئے

"اوم" کے سرپرستوں کا فرض ہے کہ جہاں اُنہوں نے اس برہم ودیا سے خود لابھ اُٹھایا ہے، وہاں وہ دوسروں کو بھی اس کے خریدار بننے کیلئے پریرنا کریں۔

رسالہ اوم دہلی
کا
دھرم پرچار پرکاش

"اوم" پریمیوں کی سہایتا سے "دھرم پرچار پرکاش" کے انترگت گذشتہ چار سال کے دوران ہم "رسالہ اوم" کے سالانہ خریداروں کی سیوا میں لگ بھگ بیس کتابیں مفت یا خاص رعایتی قیمت پر بھینٹ کر چکے ہیں۔ تین سال پیشتر ہم نے "شنکا سمادھان" پستک چار حصوں میں شائع کی تھی۔ جسے بے حد پسند کیا گیا اور شائع ہوتے ہی چند ماہ کے دوران چاروں حصے ختم ہو گئے۔ ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اب اس پستک کا دوسرا ایڈیشن بڑے سائیز $\frac{20\times30}{8}$ پر شائع کیا جائے بالمیکی رامائن کی طرح شنکا سمادھان کا نیا ایڈیشن رسالہ اوم "کے سالانہ خریداروں کو خاص رعایتی قیمت پر دیا جائے گا۔ لکھائی کا کام شروع ہو چکا ہے۔ امید ہے۔ یہ پستک جلدی تیار ہو جائے گی۔ صفحات اور قیمت وغیرہ کا اعلان آئندہ شمارہ میں کیا جائے گا۔ دھن کی کمی کے باعث ہم "شنکا سمادھان" کا دوسرا ایڈیشن ضرورت کے مطابق ہی چھپوانا چاہتے ہیں۔ اس لئے "رسالہ اوم" کے ایسے پرانے خریدار جن کے پاس پہلا ایڈیشن موجود ہے ہمیں مطلع کر دیں۔ تاکہ اُن کی خدمت میں نیا ایڈیشن ارسال نہ کیا جائے۔

"منیجر"